بسم اللہ

نگار

فہرست مضامین ماہ مئی سنہ ۱۹۳۰ء

ملاحظات ——— ۲

جماعت و فرد کا موازنہ (بدر اصلاحی) ۶۹

علامہ آصفی نظامی رح۔ خان امتیاز علی عرشی رامپوری ۔ ۹

مومن و کلام مومن ۔ کیفی چریاکوٹی ۔ ۷۲

مرزا غالب اور مصحفی ۔ افسر امروہوی ۔ ۳۴

سرزمین دکن کی ایک دلنواز شام ——— ۸۹

حکومت ہند کے اندرونی اور بیرونی خطرات عبد القیوم ۵۵

ذکر رنگین ۔ جگر مراد آبادی ۔ ۹۴

قانون اور شریعت پر ایک علمی نظر بدر اصلاحی ۶۶

شفق ۔ فرخ بناری ۔ ۹۶

نگار

اڈیٹر:- نیاز فتحپوری

جلد - ۱۷	مئی سنہ ۱۹۳۰ء	شمار - ۵

ملاحظات

آج ۲۸ کی صبح کو آخر کار مین لکھنؤ واپس آہی گیا، لیکن اس حال مین کہ ایک طرف کام کا انبار ہات پانون سرد کئے دے رہا ہے اور دوسری طرف سامنے سے گرم ہوا کے جھونکے رُوح کو خشک ـــــ کامل ایک گھنٹہ سے بیٹھا ہوا یہ سوچ رہا ہون کہ کام کی ابتدا کیونکر ہو اور کس کو مقدم سمجھکر پہلے اس طرف توجہ کرون۔ صرف میرے دیکھنے کی ڈاک اس طرح سامنے پھیلی ہوی ہے، جیسے ڈاک خانہ کی میز پر سارٹر کے روبرو کبھی آپ کو نظر آئی ہوگی۔ اور کامون کا کیا ذکر ہے۔ منیجر صاحب کو اپنے مشاغل سے فرصت نہین، بہرحال جو کچھ مجھے کرنا ہے، مجھی کو کرنا پڑیگا اور ایک ہفتہ کے اندر زندگی کے اُس اسلوب کو پھر قایم کرنے کی کوشش کرونگا جو ایک ماہ پانچ دن قبل عزم حیدرآباد سے پہلے قایم تھا ـــ یہ ذکر مین نے اس لئے کر دیا کہ اگر بعض احباب کے آئے ہوئے خطوط کا جواب تعویق سے جائے تو وہ مجھے مورد ملامت نہ بنائین ـــ

سیاحت عموماً دو قسم کی ہوا کرتی ہے، ایک صرف تفریح کے لئے جو آجکل اہل امریکہ کا شعار ہے اور دوسری کسی ضرورت و غرض کی بنا پر جو ہم ایسے "بندگان بیچارہ" پر مصیبت کی طرح نازل ہوتی ہے۔ مگر ایک تیسری قسم سیاحت کی اور بھی ہے جو شروع تو ہوتی ہے بالکل مہمل طور پر لیکن ختم ہوتی ہے ایک مفہوم پر، کسی مدعا کی تشلیل پر اور ایسی صورت پر جسے شعراء کی زبان مین بالکل "خدا ساز" بات کہتے ہین۔

میرا اولین اصول عمل معاملات کے باب مین یہ ہے کہ کبھی کوئی توقع ہی قایم نہین کرتا اور اس لئے مجھے یاس و نا امیدی سے بہت کم

دوچار ہونا پڑتا ہے — مین جب حیدر آباد گیا تو میرا دماغ تدابیر سے یکسر معرّا، توقعات سے بالکل خالی اور اس اُلجھن سے بالکل آزاد تھا

"کہ گر نہ ہو تو کہان جائین اور ہو تو کیونکر ہو"

لیکن جب واپس آیا تو اس حال مین کہ دل توقعات سے لبریز ہے اور رُوح "تشکرات" سے۔ سامان بصیرت و اعتبار بھی ساتھ ہے اور اسباب بہجت و افتخار بھی — یعنی "یار ما آن دارد و این نیز ہم"

حیدر آباد پہونچنے سے قبل جو اخبار و روایات وہان کے مجھ تک پہونچے تھے ان کی بنا پر مین نے وہان کے تمدن و معاشرت، وہان کے نہضت و ارتقاء اور وہان کی ارستقراطی (Aristocracy) جماعت کے متعلق ایک خاص خیال قائم رکھا تھا اور کتمان حقیقت ہوگا اگر مین یہ کہون کہ مجھے اس باب مین مایوسی سے مطلقاً واسطہ نہین پڑا۔ انسانی ظن و تخمین کی سب سے بڑی اصولی غلطی یہ ہوتی ہے کہ اس باب مین وہ زمانہ کا لحاظ بالکل نہین کرتا اور ہمیشہ ماضی کے واقعات و روایات کو سامنے رکھ کر "حال" کو سمجھنا چاہتا ہے اور پھر جب حقیقت اس کے خلاف نظر آتی ہے تو بجائے اپنی غلطی کے اعتراف کے وہ زمانۂ موجودہ کی شکایت کرنے لگتا ہے — میرے والد کے ایک دوست جنھون نے مجھے کبھی نہین دیکھا تھا، والد کے انتقال کے بعد مجھ سے ملنے آئے اور حد درجہ مایوس واپس گئے۔ انھون نے چلتے وقت نہایت حسرت کے لہجہ مین فرمایا کہ "میان تم مین تو ایک بات بھی خانصاحب مرحوم کی سی نہین ہے" مین نے ادب سے عرض کیا کہ "اگر آپ میرے والد کے وجود سے قبل مجھے دیکھتے تو آج جو کچھ میری نسبت فرما رہے ہین وہ اُن کے متعلق کہتے، لیکن افسوس ہے کہ آپ کو خوش کرنے کے لئے فطرت اپنے اس اصول کو نہین بدل سکتی کہ بیٹا ہمیشہ باپ کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے" ——— مین جانتا ہون کہ جو کچھ انھون نے فرمایا وہ بالکل صحیح تھا، لیکن اگر زمانہ کے اقتضاء نے میرے اندر وہ صفات پیدا نہین کئے تھے تو میرا اس مین کیا قصور تھا حقیقتاً غلطی ان کی تھی کہ انھون نے نصف صدی کے زمانہ کو کوئی اہمیت ہی نہین دی اور نہ باپ بیٹے مین فرق کرنا ضروری خیال کیا ——— اسی نوع کی غلطی مجھ سے بھی ہوئی کہ حیدر آباد کی اُن روایات قدیم کو (جو اپنی افادیت کے لحاظ سے حکومت استبدادی کا روشن ترین پہلو پیش کرتی ہین) سامنے رکھ کر مین نے موجودہ حیدر آباد کی تصویر قایم کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہان پہونچنے کے بعد اس تصویر کے بہت سے نقوش مین ترمیم و تصحیح کرنا پڑی لیکن غالباً خلاف حقیقت ہوگا اگر مین اس کا اعتراف نہ کرون کہ ہرچند یہ ترمیم شدہ صورت اپنے بعض خط و خال کے لحاظ سے زیادہ حسین نہ تھی لیکن بعض حیثیات کے لحاظ سے مکمل و حقیقی ضرور تھی ——— مین اس وقت نہ سرزمین دکن کی تاریخ سے بحث کرنا چاہتا ہون کہ اس کے لئے ملاحظات کے محدود صفحات مین گنجایش کہان، اور نہ دولت آصفیہ کے مد و جزر سے گفتگو کرنا مقصود ہے کہ یہ ایک مستقل کتاب چاہتا ہے، بلکہ مدعا صرف یہ بتانا ہے کہ مین نے وہان جا کر کن تاثرات کو قبول کیا اور یہ کہ موجودہ حیدر آباد کے حال سے اُس کے مستقبل پر کیا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

حیدر آباد کیا بہ لحاظ آب و ہوا، کیا بہ لحاظ آبادی و پیداوار، ہندوستان سے بالکل مختلف چیز ہے اور اس طرف کا ایک شخص وہان جا کر یقیناً یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کسی دوسرے حصۂ زمین مین آ گیا ہے، لیکن چونکہ حیدر آباد کی آبادی بالکل

Heterogeneous (مختلف الجنس) قسم کی ہے، اس لئے مغایرت و اجنبیت کا احساس نہین ہوتا۔ اور زبان و معاشرت کے لحاظ سے ہندوستان کے ہر حصہ کا انسان وہان اپنی سوسائٹی پیدا کر سکتا ہے۔ شمالی ہند کا ذکر بیکار ہے کہ یہان کے لوگ تو دولتِ آصفیہ کے ہمیشہ سے ممنون کرم رہے ہین اور حیدرآباد کی تاریخ کا کوئی پہلو ایسا نہین ہے جس مین شمالی ہند کے رہنے والون نے نمایان حصہ نہ لیا ہو۔ چنانچہ آج بھی حکومت آصفیہ کے نظم و نسق مین حصہ لینے والے زیادہ تر شمال ہی کے لوگ ہین اور اس لحاظ سے کہ دولت آصفیہ خود عبارت ہے انھین امراء کبار کے فتوحانہ اقدام سے جو شمال ہی سے تعلق رکھتے تھے اس لئے جائے حیرت نہین اگر ابھی تک شمالی ہند کے رہنے والون کا وہان اثر قایم ہے۔

حیدرآباد کی مُلکی آبادی مین ایک حصہ تو اُن وحشیون اور شُدر قومون کا ہے جو خدا معلوم تاریخ کے کس عہد سے یہان پہاڑیون اور وادیون مین زندگی بسر کر رہے ہین اور یہ اپنی شکل و صورت، تمدن و معاشرت کے لحاظ سے ہنوز وہی غلامانہ جسم و رُوح رکھتے ہین جو ہندوستان کی دوسری وحشی قومون مین پائی جاتی ہے۔ دوسری جماعت اُن لوگون کی ہے جو ہین تو خالص دکن کے باشندے لیکن شرافت خاندانی، اور تہذیب و شایستگی کے لحاظ سے نمایان حیثیت سوسائٹی مین رکھتے ہین، ایک تیسری جماعت اور ہے جو خالص دکنی تو نہین ہے لیکن کئی پُشت گزر جانے کی وجہ سے اُن مین بھی وہی دکنی رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ یہان ایک مخصوص طبقہ امراء کا ہے جن مین سے بعض شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہین اور بعض وزراء کے خاندان سے۔ دکن کی یہ خصوصیت کہ وہان کا طبقۂ امراء بھی ایک فرمانروایانہ حیثیت رکھتا ہے، بڑی حد تک اب بھی قائم ہے اور یہان کے خود مختار جاگیردارون اور صاحبان ریاست کی مجموعی تعداد اسقدر ہے کہ اگر ان سب کو یکجا کر دیا جائے تو ہندوستان کی کوئی اور بڑی سی بڑی ریاست بھی مقابلہ نہین کر سکتی۔ لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ جو تغیر خود دولت آصفیہ مین ہوا ہے، اسی لحاظ سے تمام امراء و نوابان بھی متاثر ہوئے ہین اور وہ خود مختارانہ و آزادانہ شوکت و جبروت جو اس سے قبل کسی وقت سرزمین دکن مین پائی جاتی تھی بہت مضمحل نظر آتی ہے۔

غفران مآب نواب محبوب علی خان اُس زمانہ کے فرمانروایون مین سے آخری فرد تھے جب سطوت مغلیہ کے آثار و علایم ہندوستان کے مختلف گوشون مین پائے جاتے تھے اور ان کے ساتھ ہی وہ دور ختم ہو گیا۔ دور عثمانی بالکل جدید دور ہے جس کے اصول جہانبانی اور جہانداری بالکل مختلف ہین اور جس مین وہی ضبط و اہتمام وہی نسق و انصرام پایا جاتا ہے جو مغربی حکومتون کے اثر سے نہ صرف یہان بلکہ اب ہندوستان کی تمام ریاستون مین نظر آتا ہے اس مین کلام نہین کہ شخصی حکومت یعنی صرف ایک ہستی کا نائب خدا کی حیثیت سے کسی حصۂ ملک کے سیاہ سفید کا مالک ہونا وہ دلکش پہلو بھی رکھتا ہے، جو دنیا کے جبابرہ نے اپنی بے دریغ زرپاشیون سے ہمیشہ نمایان کیا اور ہمیشہ صاحبان احتیاج و غرض سے اس کی داد حاصل کی، لیکن جہانتک آئین و اصول کا تعلق ہے، جس حد تک اقتصاد و سیاسیات کا واسطہ ہے وہ دور عہد پارینہ کی یادگار سمجھا جاتا ہے اور نظام ارتقاء کے لحاظ سے قابل ہجر و ترک۔ یقیناً موجودہ دور مین وہ مثالین بخشش و کرم کی نظر نہین آسکتین جب فرمانروائے وقت کی ادنیٰ سی نگاہ بخشش و کرم فقیر کو غنی اور گدا کو امیر بنا دیتی تھی لیکن اس کے ساتھ جو صورتین نہضت و ارتقاء کی اب پائی جاتی ہین وہ اس سے پہلے مفقود تھین۔

اعلیحضرت حضور نظام (موجودہ فرمانروائے دکن) اپنی سادگی معاشرت کے لحاظ سے بالکل قرونِ اولیٰ کے انسان معلوم ہوتے ہین اور جس طرح فتح بیت المقدس کے وقت وہان کے راہبون نے خلیفہ ثانی کے بوسیدہ ملبوس کو دیکھ کر ان کے خلیفۂ وقت ہونے پر حیرت کی تھی، اسی طرح اب بھی ہر شخص اعلیحضرت حضور نظام کو دیکھ کر حیران رہجاتا ہے کہ کیا یہ ہستی اس ریاست کی فرمانروا ہو سکتی ہے جو حقیقتاً ایک ملک کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ جہانتک خود اُن کی ذات اُن کی خانگی زندگی کا تعلق ہے وہ اسی سطح پر نظر آتے ہین جہان اسلام نے شاہ و گدا دونون کو دوش بدوش لاکر کھڑا کر دیا تھا، لیکن جس حد تک سلطنت کے نظم و نسق کا تعلق ہے ان کی وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ کرورون روپیہ شہر کے حفظان صحت و آرائش بلدہ کے لئے اُٹھا کر دیدیتے ہین اور علوم و فنون کی پرورش کا تو خیر ذکر ہی فضول ہے کہ مسلم یونیورسٹی سے لیکر جو مسلمانون کی سب سے بڑی درسگاہ ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ مدرسہ تک سب اس کے دست کرم کے ممنون ہین اور انکا سررشتۂ حیات اسی ایک ہاتھ سے وابستہ ہے جو نہ صرف نام کے لحاظ سے عثمان ہے بلکہ صفت کے لحاظ سے بھی اتنا ہی غنی ہے۔ خود اندرون ملک مین ترقی علوم و تہذیب زندگی کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے ثبوت مین صرف جامعۂ عثمانیہ کا نام لے دینا کافی ہے جو اصولِ کار کے لحاظ سے اس وقت ہندوستان کی بہترین یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے۔ الغرض یہ اور اسی طرح کے اور تمام برکات جن کو دیکھ کر ایک ملک کے ارتقاء پر آسانی سے حکم لگایا جاسکتا ہے یہان کے ہر ہر ذرہ سے ہویدا ہین اور غالباً اس خصوص مین تاریخ دکن کا کوئی فرمانروا، ہز اگزالٹڈ ہائنس میر عثمان علی خان کا ہمدوش نہین سمجھا جاسکتا۔

یہان کا نظم حکومت ایک کونسل کے سپرد ہے جو چھ ممبرون اور ایک پریسیڈنٹ پر مشتمل ہے ممبرون کو یہان صدر المہام اور پریسیڈنٹ کو صدر اعظم کہتے ہین۔

صدر اعظم (مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بالقابہ) طبقۂ امراء سے متعلق ہین اور ان کا خاندان اپنی خدمات کے لحاظ سے اسقدر دیرینہ تعلق دولتِ آصفیہ کے ساتھ رکھتا ہے کہ ایک شخص کے لئے خواہ وہ کسی حیثیت سے دکن کا مطالعہ کرے اس خاندان کے افراد کو نظرانداز کرنا محال ہے۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ دربار اکبری کے مشہور نورتن مین سے ایک درخشندہ ترین رتن راجہ ٹوڈر مل تھا جس سے عہد مغلیہ کا ہر مورخ واقف ہے اور دکن کی تاریخ قدیم مین مہاراجہ چندو لال جو ہمارے موجودہ صدر اعظم کے نانا تھے اور جن کے کارنامے دولت آصفیہ کی تاریخ مین اسی طرح منتشر نظر آتے ہین جیسے ہار کے بکھرے ہوئے موتی۔ اب یہان صرف مہاراجہ بہادر ہی کی ایک ذات ایسی رہگئی ہے جن مین قدیم امراء کی خصوصیات پائی جاتی ہین۔ اور جن کا دربار اب بھی امیدگاہ انام ہے۔ آپ باوجود کبرسنی و پیرانہ سالی کے جوانانہ عزم و ارادہ رکھتے ہین اور مشکل ہی سے کوئی وقت آپ کا ایسا گزرتا ہے جسے فارغ از انہماک کہہ سکیں آپ کے اخلاق کی وسعت آپ کی سیرت کی نمایان خصوصیت ہے اور انسانیت پرستی آپ کا مسلک و مذہب آپ کی حیات کا مدعا صرف خدمت ابناءِ جنس ہے اور آپ کی زندگی کا مقصود دوسرون کے لئے ایثار و قربانی ضبط و تحمل آپ کا اتنا بڑھا ہوا ہے کہ وہ باتین جو معمولی انسان کو بھی برہم کر سکتی ہین آپ پر کوئی اثر نہین کرتین اور ہلکی سی چین پیشانی بھی کسی شخص کا پیہ

نہین دیتی مجھے ایٹ ہوم ڈنر وغیرہ کے علاوہ یون بھی متعدد بار حاضری وحضوری کا شرف حاصل ہوا اور مین نے ہر مرتبہ یہ محسوس کیا کہ ابھی تک مین کافی مطالعہ اس عجیب وغریب ہستی کا نہین کر سکا۔ آپ کی ذات یکسر خیر وبرکت ہے اور آپ کی وہ مخفی داد ودہش جس کا علم کسی کو نہین ہوتا اسدرجہ وسیع ہے کہ اس عہد مین مشکل سے کوئی دوسری نظیر اُس کی پیش کی جا سکتی ہے حقیقت یہ ہے کہ آپ کا دربار صحیح نمونہ ہے اُس دور امارت کا جو اس سے قبل کسی وقت یہان پایا جاتا تھا اور آپ کی ذات تنہا یادگار ہے اس زمانہ کی جسے لوگ اب یاد کرتے ہین اور واپس نہین لا سکتے میرے اوپر خصوصیت کے ساتھ جو الطاف آپ نے صرف کئے، ان کی تفصیل وتشریح بیکار ہے کیونکہ نہ مین اپنے تاثرات کے لحاظ سے ان کے بیان پر قادر ہون نہ نوازش وکرم کی وسعت وفراوانی کی حیثیت سے۔ آپ کا علمی ذوق جسقدر بلند وپاکیزہ ہے وہ آپ کے فارسی اُردو کلام اور دیگر متعدد تصانیف سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ آئندہ کسی صحبت مین اس پر مفصل تبصرہ کر کے بتاؤنگا کہ دولت آصفیہ کا صدر اعظم ایک شاعر ہونے کی حیثیت سے کس بلند مرتبہ کا حامل ہے۔

کونسل کے ممبران مین سے مجھے نواب مہدی یار جنگ بہادر اور نواب عقیل یار جنگ بہادر سے ملنے کا فخر حاصل ہوا۔ یہ دونون نواب عماد الملک بہادر مرحوم کے صاحبزادے ہین اور تمام خصوصیات کے لحاظ سے اُس فخر ملک وقوم ہستی کے سچے جانشین، نواب مہدی یار جنگ بہادر وزیر سیاسیات ہین اور اپنی گرانقدر خدمات کی وجہ سے حکومت آصفیہ وحکومت برطانیہ دونون کا پورا اعتماد حاصل کئے ہوئے ہین۔ آپ نہایت نیک نفس، صلح کل، مرنجان مرنج اور وسیع الاخلاق انسان ہین اور ذاتی قابلیت وفہم وتدبر کی حیثیت سے کونسل مین خاص اقتدار رکھتے ہین۔ ان کے برادر گرامی نواب عقیل یار جنگ بہادر وزیر تعمیرات ہین اور آپ کے عہد مین حیدرآباد کو جسقدر عمارتی ترقی حاصل ہوئی یا ہو رہی ہے، وہ تاریخ حیدرآباد مین یادگار رہجانے والی چیز ہے۔ آپ نہایت خوش فکر انسان ہین اور خلوص وصداقت کا مجسمہ۔ وزیر فنانس سر اکبر حیدری یہان کے نہایت مشہور شخص ہین اور کونسل مین آپ کا وجود وہی اہمیت رکھتا ہے جو نظام عصبی مین نخاع کو حاصل ہے۔ افسوس ہے کہ مجھے آپ سے ملنے کا موقعہ حاصل نہین ہوا۔ باقی تین ممبرون مین نواب ولی الدولہ بہادر اور نواب لطف الدولہ بہادر طبقۂ امراء سے متعلق ہین اور اپنے اخلاق کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے ہین۔ کرنل ٹرنچ صیغۂ مال وپولیس کے وزیر ہین اور مغربی خصوصیات کے لحاظ سے بہت کامیاب وزیر سمجھے جاتے ہین۔

کونسل کے احکام کا نفاذ معتمدین کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ یعنی ہر محکمہ ایک معتمد یا سکریٹری سے متعلق ہے اور اس کے ذریعہ سے تمام کاغذات کونسل مین پیش ہوتے ہین۔ معتمدون مین سے مجھے صرف نواب فخر یار جنگ بہادر اور نواب صمد یار جنگ بہادر سے ملنے کی عزت حاصل ہوئی۔ نواب فخر یار جنگ معتمد محکمۂ فنانس ہین اور اپنی محنت ودیانت اہلیت وقابلیت، اور اخلاق وانسانیت کے لحاظ سے ایک ایسے شخص ہین جن کے متعلق حیدرآباد کے کسی حلقہ مین دو رائین نہین سُنی جا سکتین۔ ہر شخص آپ کا مُعرف ومداح ہے اور حکومت وپبلک دونون کا اعتماد آپ کو حاصل ہے۔ نواب صدر یار جنگ محکمہ افواج کے معتمد ہین اور اپنی ذاتی قابلیت

وصلح کل فطرت کے لحاظ سے بہت مقبول سکریٹری ہین

ان کے علاوہ اور بہت سے اعلیٰ عہدہ داران ریاست سے ملنے کا موقعہ مجھے ملا جس کا تفصیلی ذکر اس وقت ممکن نہین لیکن مختصراً اس قدر ضرور کہونگا کہ مین نے ان جملہ حضرات کو بہت متواضع پایا اور اپنے موجودہ خدمات کے لحاظ سے حد درجہ مطمئن۔

غیر سرکاری حلقون کے علاوہ بڑی تعداد ملنے والون کی طلبہ کی جماعت پر مشتمل تھی۔ ان مین سے اکثر وہ تھے جو میری مذہبی تبلیغ کے ہمنوا ہین اور کثر وہ جو مخالف ہین ہر صحبت گویا ایک صحبت مناظرہ ہوا کرتی تھی جس مین یہ لوگ مجھ سے مختلف سوالات کرتے تھے اور مین ان کو جواب دیتا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ دکنی طلبہ مین ذوق علم وتفتیش بہت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے اور وہ کوشش کرتے ہین کہ مکالمہ ومطالعہ دونون ذریعہ سے اپنے معلومات کو وسیع کرین۔

جامعہ عثمانیہ اور دار الترجمہ کی وجہ سے یہان ذوق تصنیف وتالیف بھی نوجوان جماعت مین پیدا ہو گیا ہے اور اس وقت تک متعدد کتابین شایع ہو کر ملک مین مقبول ہو چکی ہین اسی طرح ان لوگون مین وہ خودداری وخود اعتمادی بھی نمودار ہے جو صحیح تعلیم کا لازمی نتیجہ ہے اور جذبۂ وطنیت جو بیداری کی غایت اصلی ہے یہان کی آبادی مین بہت ترقی پذیر ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہان کے علمی خدمات یا تصانیف مین ابھی تک ایک چیز کی ضرور کمی ہے جسے ہم اگر فقدانِ روح نہین کہہ سکتے تو فقدانِ خوشدلی (Liveliness) ضرور کہین گے۔ مین نے جہانتک غور کیا اس کا سبب بالکل مقامی وماحولی ہے۔ سرزمین دکن خواہ کتنی ہی بلند خصوصیات کیون نہ رکھتی ہو، لیکن جمالیاتی ذوق (Aesthetic sense) کی تربیت کا سامان وہان ابھی تک پیدا نہین نہین ہوا اور اسی حس کے کُند ہونے کی وجہ سے یہان کے علمی کارنامے کچھ اُداس سے معلوم ہوتے ہین۔ لیکن امید کیجاتی ہے کہ یہ عالم زیادہ عرصہ تک قایم نہین رہیگا اور مستقبل قریب یا بعید مین کوئی اسکول مخصوص رنگ کے مصنفین کا ایسا ضرور پیدا ہوگا جو اس کمی کو محسوس کر کے دور کریگا اور پھر رفتہ رفتہ یہ احساس مصنفین کے تمام طبقون مین پیدا ہو جائیگا۔

مین جسوقت واپس آیا تو رسالہ تقریباً مرتب ہو کر لکھا جا چکا تھا اور چونکہ مین یہان موجود نہ تھا اس لئے اس مرتبہ رسالہ کی ترتیب یقیناً نہ صرف ثقیل ہو کر رہگئی، بلکہ ایک حد تک بدنما بھی ہو گئی۔ صفحہ ۹ سے صفحہ ۸۸ تک مسلسل علمی وتنقیدی مضامین درج ہو گئے اور اگر مین حیدرآباد سے سرزمین دکن والا مضمون نہ بھیجدیتا تو شایقان ادب لطیف کے لئے یہ رسالہ بالکل رمضان ہو کر رہجاتا۔ میرا قاعدہ ہے کہ ہمیشہ کسی ایسے مقالہ کے بعد جس کے مطالعہ سے دماغ کو کچھ تھکن محسوس ہو، کوئی ایسا مضمون یا فسانہ ضرور رکھدیتا ہون جو اُس خستگی کو دور کر کے آیندہ مضمون پر غور کرنے کے لئے انسان کو طیار کردے، لیکن اس مرتبہ ترتیب کی یہ صورت قایم نہ رہسکی اور جناب بدر اصلاحی کے دو علمی مضمون مسلسل درج ہو گئے، ہر چند یہ دونون بہت مختصر ہین اور بڑی حد تک دلچسپ بھی لیکن اگر ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جاتا تو زیادہ لطف پیدا ہو جاتا۔ علامۂ آسغی کے متعلق پہلے مضمون نے بہت کافی جگہ لیلی، لیکن ایسا ہونا ناگزیر تھا، کیونکہ مضمون بہت طویل ہے اور جلد سے جلد اسے ختم کر دینا ہے۔ مومن وکلام مومن کے لئے زیادہ جگہ

نکال کر اس مہینے مین ختم کر دیا گیا کہ اس کا سلسلہ بھی عرصہ سے چلا آرہا تھا۔ جناب فسر امروہوی نے مرزا غالب اور مصحفی کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی کافی طویل ہے، لیکن اس نوع کے تنقیدی مضامین کی طوالت طبیعت پر بار نہین ہوتی۔ جناب رسا کا مضمون اُسی سلسلہ کی کڑی ہے جو اس سے قبل "حکومت برطانیہ کی وسعت کا راز" کے عنوان سے شایع ہو رہا تھا۔ موجودہ سیاسیات کے لحاظ سے یہ مضمون بہت مفید و کار آمد ہے۔ افسوس ہے کہ انھین اسباب کے ماتحت نہ باب الاستفسار کے لئے جگہ نکل سکی جسکا لوگون کو بہت انتظار رہتا ہے اور نہ معلومات کے لئے اسی طرح حصۂ نظم مین بھی صرف دو نظمین درج ہو سکین۔ جون کے رسالہ مین انشاء اللہ پوری تلافی اس بدمزگی کی کر دیجائے گی اگر واقعی یہ کوئی بدمزگی ہے

ذکر رنگین اجناب جگر مرادابادی کا عطیہ ہے اور شفق حضرت فرخ بنارسی کا مین چاہتا ہون کہ ناظرین نگار خود انکا مطالعہ کرکے داد دین۔

اسوقت ہندوستان کے سیاسیات کا جو رنگ ہے، وہ کسی سے مخفی نہین۔ تمام کام کرنیوالے ایک ایک کرکے گرفتار ہو چکے ہین، یہانتک کہ آج ۶ مئی کی صبح کو سارے شہر مین ہرتال ہے اور مہاتما گاندھی کو گرفتار کرکے گویا حکومت نے اس سرچشمہ کو ہی بند کر دینا چاہا ہے، جس سے ملک مین بدامنی پھیلنے کا اندیشہ کیا جاتا تھا۔

حکومت کا موجودہ طرزِ عمل کس حد تک دانشمندانہ کہلایا جا سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا دشوار نہین۔ کیونکہ ایک وقت وہ بھی تھا جب نمک کے متعلق قانون شکنی پر حکومت کی خاموشی نے مہاتما گاندھی کے قوار کو بھی مضمحل کر دیا تھا اور وہ حیران تھے کہ حکومت کی اس ستیاگرہ کا کیا جواب دے سکتے ہین اور آج حکومت کے تشدد نے، تمام اُن آرزوؤن کو تکمیل کی حد تک پہونچا دیا ہے جن کو لیکر مہاتما گاندھی نکلے تھے۔ دنیا مین جب کوئی شخص قوت کا جواب انتہائی عجز و قربانی سے دینے لگے تو پھر اس کا توڑ صرف خاموشی ہو سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ حکومت زیادہ ضبط سے کام نہ لے سکی اور اس نے ہنگامۂ دار و گیر کو اسکا علاج سمجھا، حالانکہ اصل چارۂ کار وہی تھا جو ابتدا مین ظاہر کیا گیا۔ بعض لوگون کا خیال ہے کہ اب جبکہ ملک کے تمام قایدین و رہنما گرفتار ہو چکے ہین، یہ تحریک مضمحل ہوکر فنا ہو جائیگی۔ ممکن ہے ایسا ہو، لیکن اس کے ساتھ دوسری صورت بھی سامنے رکھکر غور کرنا چاہئے کہ اگر اس کے بعد بھی یہ تحریک قائم رہی تو کرورون آدمیون کے لئے کتنے زندان طیار کئے جائین گے اور کہان کہان؟

غیر ملکی کپڑے کی تجارت کو روکنے کیلئے اکثر مقامات مین پکٹنگ سے کام لیا جا رہا ہے، جسوقت مین لکھنؤ واپس آیا تو یہان بھی اسکا زور تھا اور ابتک قائم ہے، بہت سی دوکانین بند ہو گئی ہین اور خرید و فروخت صرف دیسی کپڑے کی ہو رہی ہے۔ مسلمانون مین سے بعض حضرات نے البتہ حد درجہ جوانمردی سے کام لیا کہ باوجود الحاح و زاری کے انھون نے ولایتی کپڑا خریدا اور بعد کو پکٹنگ کرنیوالے لڑکے اور لڑکیون کو جو اُن کے راستے مین پڑ گئے تھے، روندتے ہوئے نکل گئے ——— مین سوچتا ہون کہ اگر واقعی ولایتی کپڑا آنا بند ہو گیا تو پھر وہ مسلمان جو صرف ولایتی لٹھے اور تنزیب ہی کے استعمال کو توشۂ آخرت اور وجہ شفاعت سمجھے ہوئے ہین کیا کرینگے؟

خاقانی ہند، قاآنی عصر، علامہ آصفی نظامیؒ

اولاد

رامپور مین، فیاض خان جمعدار برادر سالار خان کی نواسی سے شادی ہوتی تھی۔ یہ بی بی میجر دولہ خان؛ اور عباس خان مشہور چوگان باز کی ہمشیرہ زادی۔ اور رامپور کے ایک نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتی تھین۔ ان کے بطن سے چار لڑکیان، اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکا عین نشوونما کی حالت مین راہی ملک عدم ہوگیا۔ ایک لڑکی شادی کے قبل فوت ہوگئی تھی۔ دو لڑکیون کی شادی بنی شیر خان ساکن شاہ آباد کے دو فرزندون کے ساتھ ہوئی۔ اب صرف بڑی لڑکی زندہ ہین۔ ان کے شوہر بعارضۂ طاعون انتقال کر گئے۔ دو لڑکے چھوڑے ہین۔ جو رامپور مین تجارت کرتے ہین۔ چونکہ یہ جوانی مین بیوہ ہوگئی تھین۔ اسلئے مولانا امداد کرتے رہے۔ اکثر رامپور رہا کرتی تھین۔ ماہوار خرچ حیدر آباد سے آجاتا تھا کبھی کبھی حیدر آباد بھی چلی جاتی تھین

پہلی بی بی کے انتقال کے بعد مولانا نے عقد ثانی کیا یہ بی بی نواب بہرام الدولہ ہژبر جنگ کی نواسی تھین۔ نواب صاحب فرخ آباد مؤ کے رئیس تھے۔ اور حیدر آباد مین بہت معزز شمار ہوتے تھے۔ ان کے بطن سے دو لڑکیان اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ لڑکون کے نام علی الترتیب عبدالوہاب خان، عبدالسلام خان، اور عبداللہ خان، ہین۔ یہ تینون بقید حیات ہین، اور حیدر آباد ہی مین قیام ہے۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر نے مولانا کے انتقال کے بعد ساری اولادون کے وظیفے مقرر کئے تھے۔ رامپور والی لڑکی کو تو کسی وجہ سے نہ ملا۔ لیکن ان لڑکون کو برابر مل رہا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے۔ کہ ایک لڑکا بھی اس علامہ باپ کا خلف الصدق نہین سب کے سب معمولی خواندہ ہین، مولانا کو اس کا بہت رنج تھا، ہرچند کوشش کی۔ مگر کچھ فائدہ نہوا۔

تلامذہ

یمین السلطنۃ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر شاد وزیر سلطنت آصفیہ، مولانا سے فارسی مین مشورۂ سخن کیا کرتے تھے چونکہ مہاراجہ بہادر کو مولانا سے دلی عقیدت تھی۔ مولانا بھی بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ بعض مواقع پر مولانا نے تہنیت نامے لکھے ہین، یہ نہین معلوم ہوتا کہ کوئی ماتحت کسی افسر کو مبارکباد دے رہا ہے۔ یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ ایک بزرگ اپنے اطاعت شعار چھوٹے کو پیار کر رہا ہے اور دعا دیتا ہے۔ مہاراجہ بہادر نے، مولانا کے انتقال کے بعد، مولانا کی اولاد کے ساتھ مربیانہ سلوک کیا۔ البتہ انکی بڑی صاحبزادی اس منبع فیض و کرم کے جود و سخا سے محروم رہین۔ کاش اس ذات ہمایون تک کوئی آواز پہنچ جاتی اور مولانا کی اس نور چشم کے مصائب کچھ کم ہوتے

مولانا حیدر آباد مین فارسی کی سند تھے۔ اکثر لوگ فارسی مین اصلاح لیتے تھے۔ یہان رامپور مین ذرائع معلومات اسقدر محدود ہین۔ کہ مہاراجہ بہادر کے علاوہ کسی ایک شخص کا نام بھی معلوم نہو سکا۔

لیاقت علمی

مولانا عربی اور فارسی لٹریچر (ادب) مین مہارتِ تامہ رکھتے تھے - ترجمۂ خصائص کبریٰ کے دیباچہ مین لکھتے ہین

"مین ایک معمولی مترجم ہون - عربی الفاظ کے معانی ہندی زبان مین عوام الناس کے سمجھانے کے واسطے بیان کر دیتا ہون - مجکو آرائش کلام، تکلیف بیان اور دنیوی شہرت منظور نہین، ورنہ بہت سے خیالی قصہ جات، قالبِ تکلف مین ڈھال سکتا، اور زبان آوردن کی روش پر خیال بندی کے مراتب مین اغراق کر سکتا ہون - چنانچہ

"میری دستگاہِ سخن فارسی زبان مین مسلمۂ اہل ہند و عجم ہے"

"اس کے سوا عربی ادب مین عمر کا جسقدر بڑا عزیز حصہ صرف ہوا - وہ عظیم نعمائے الٰہی سے ہے"

مولانا کو فارسی شاعری سے طبعی شوق تھا عمر کا بڑا حصہ اس کی تکمیل مین صرف کیا - ابتداءً قدیم طرز انشا سے زائد شغف رہا - جسکا نتیجہ سہ نثر آصفی کی صورت مین نکلا - یہ ظہوری کی سہ نثر کا جواب ہے - اور حق یہ ہے کہ نقش ثانی نقش اول سے کم نہین

مولانا کو امید تھی کہ اسکی قدر ہوگی - مگر زمانہ کی ہوا بدل چکی تھی - مولانا انصاف طلب رہے - لیکن انصاف کون کرتا وہ سمجھنے والے اور داد دینے والے ہی نہ رہے تھے حافظ صاحب کو لکھتے ہین

"سہ نثر مین جو کچھ جدتِ مطالب و مضامین ہوئی ہے - وہ زیادہ انصاف کی محتاج ہے"

عربیت کا اندازہ مولانا کے عربی قصائد سے ہو سکتا ہے - دو چار فارسی کلیات مین طبع ہو گئے ہین - رقعات غیر مطبوع رہے - ورنہ خدا جانے حریری و بدیعی پر کیا گزرتی -

معقول و منقول مین بھی کافی دستگاہ حاصل تھی - نور الانوار اصول فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے - شاہنشاہ عالمگیر کے استاد ملا جیون کی تصنیف ہے - مولانا نے نہایت حسن و خوبی سے اس کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، علامۂ زمان قدوۃ العلماء الراسخین مولانا مولوی انوار اللہ خان بہادر معین المہام امور مذہبی ممالکِ محروسہ سرکار عالی نے حقیقۃ الفقہ نامی کتاب تصنیف کی تھی اس مین امام ہمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور فقہ کی اصل اور تدریجی ترقی سے بحث کی گئی تھی - مولانا نے اس کا فارسی مین ترجمہ کیا ہے - جو غالباً طبع ہو چکا - اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ آصفی علوم معقولہ و منقولہ کے بھی زبردست فاضل تھے -

ذہانت و طباعی کا یہ عالم تھا - کہ خاقانی و عرفی کی بحرون مین تین تین اور چار چار سو اشعار کے قصیدے لکھے ہین - طبیعت دریائے مواج معلوم ہوتی ہے - جس کے سامنے اشکال و صعوبت کی پہاڑیان، پرکاہ سے زائد باوقعت نہین

ایک بار، صرف دو گھنٹے مین سو شعرون کا قصیدہ لکھ ڈالا - خاتمہ مین فرماتے ہین -

میداشت بندہ طبع روانے بسانِ بحر — چون آب جا گرفتہ ز عمرے مکدرست
دیروز این چگامہ بدو پاس نقش بست — مانی کلکِ من، کہ طراز ندہ دفترست
بنگر کہ از فروغِ معانی بہ مدحِ تو — این سلکِ نظمِ من بہ ثریا برابرست

تصنیفات

تصنیفات کی صحیح تعداد معلوم نہوسکی - اپنے خط مین جن کتابون کا مولانا نے تذکرہ کیا ہے - وہ یہ ہین -

(۱) وسائل الوصول الی شمائل الرسول - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال، اقوال وغیرہ کا مجموعہ اور مرد، عورت، بوڑھے، بچہ، ہر ایک کے لئے سنتِ نبوی کا آئینہ ہے - کتب سیر واحادیث سے رسول اللہ کی عام طرز معاشرت کو واضح کیا ہے - اور آپ کے صفات ہمایونی کو ایک ایک کرکے بتایا ہے - یہ ۱۳۱۹ھ سے قبل کی تصنیف ہے -

(۲) جلاء الابصار - اصولِ فقہ حنفی کی مشہور ومعروف کتاب "نور الانوار" کا اردو ترجمہ ہے - دو جلدون مین طبع ہوکر شائع ہوا تھا - جابجا حواشی کا اضافہ ہے - جو حلِ کتاب، اور مطالب شرح ومتن کو سمجھنے مین امداد کرتے ہین - ابتدا مین ۴۲ صفحون کا دیباچہ ہے - مسلمانون کی پستی کے اسباب، اور مختلف علوم وفنون کی کتابون کے ترجمہ کی ضرورت سے بحث ہے - اردو کی عبارت مولویانہ ہے -

ترجمہ کے کام ۱۳۱۷ھ کو ختم ہوکر ۱۳۱۹ھ مین زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے - کل مدت ترجمہ ایک سال ہے - یہ ترجمہ میر مجلس عدالت عالیہ کے ایما سے وکلا دریاست حیدر آباد کے مطالعہ کے لئے کیا گیا تھا - مجلس مذکور کے صیغۂ انتظامی نے طباعت کے انتظام کا فرمان لکھکر مولانا آصفی کو امید دلائی تھی - کہ ان کی جان کاہ کوششین رائگان نہین جائینگی - مگر اثناء ترجمہ ہی مین کسی فتنہ پرداز کی انسانیت سوز سعی نے تمام امیدون پر پانی پھیر دیا - بعد اختتام، کتاب اپنے صرف سے طبع کرانا پڑی - مولانا کا خیال تھا - کہ طباعت کے بعد عدالتِ عالیہ سے کافی معاوضہ ملے گا - مگر یہ خیال بھی خام نکلا

فخر الملک بہادر وزیر تعلیم کی مدح مین ایک قصیدہ لکھا ہے اس مین یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے - فرماتے ہین -

لیک یک نابلدِ کوچۂ فرہنگ و تمیز　　از خدا غافل واز دین پیمبر بیزار
کرد آہنگ بہ پرخاش من دیا درِ من　　فرِّ فتنہ جہانید بشور رش مضمار

خاتمہ مین ممدوح سے سارا واقعہ بیان کرتے ہین -

اے سپہرِ شرف وعز ومعالی وجلال　　گوش کن قصۂ من، تغز بود این گفتار
از اصولِ فقہ آن کحل جواہر سر دم　　کہ بر چشم خرد اد جلائے ابصار
تا بیک سال بدل دشنۂ محنت خوردم　　دادم از خونِ جگر ترجمہ را نقش ونگار
تا بدو سال وگر رنج کشیدم از طبع　　طاقتم طاق شد وگشت دماغم بیکار
حسبِ فرمانِ گرامی گرامی حکام　　از پئے ترجمہ بستم کمر خود یکبار
واپس زانوئے حیرت بہ نشستند ہمہ　　آن کسانے کہ پئے ترجمہ کردند اقرار
وعدۂ مجلسِ عالیہ عدالت، نکشود　　بر رُخ محنتِ من را باب مراعاتِ کبار
پئے تبییض وبہ تصحیح وبہ طبعش شد صرف　　نقدِ سرمایۂ ذاتم کہ شمردم دو ہزار

کس زیامے نکشیدہ چو من از خدمتِ علم　　برنگردید تہی دست چو من از سرِ کار
اعتمادے نہ کنم بعد ازین بر حکام　　خوانم از وعدہ مستقبلِ شان استغفار

اس کے بعد فتنہ پرداز کی ہجو ہے۔ خوب خوب دل کی بھڑاس نکالی ہے۔

(۳) **معجزات نبی خیر الوریٰ۔**

علامہ سیوطیؒ کی مشہور و معروف کتاب "خصائص کبریٰ" کا اردو ترجمہ ہے۔ ابتدا میں ۵۰ صفحات کا پرمعنی دیباچہ ہے۔ ترجمہ نہایت سلیس اور سادہ ہے۔ دو جلدوں میں طبع ہوا ہے۔ تقریباً (۱۵۰۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ تین سال کی شبانہ روز محنت سے سنہ ۱۳۳ھ کو تمام ہوا۔

کتاب ضخیم تھی۔ مولانا اس کی طباعت کا صرف برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ایک مدحیہ قصیدے کے ذریعہ حیدرآباد کے امیر کبیر نواب لطف الدین خان بہادر سے طباعت کے اخراجات برداشت کرنے کی درخواست کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

اندرین عہد کہ این بندہ رسیدہ بحضور　　ہست یک مقصدِ دینی، کہ نمودش مضطر
میکنم خدمتِ قومی ز علوم و ز فنون　　نبود خدمتے از خدمتِ دینی بہتر
آن کسانے کہ ندارند سوادِ علمی　　جانبِ دقتِ علمی نکشایند نظر
نبود تا کہ تراجم بزبانِ ملکی　　از علوم عربیہ نبود ہیچ خبر
بہ خصائص بود این نسخہ کبری مشحون　　ہمچو یک قلزمِ بے ساحلِ مشحون بدُر
آن چنان رائے زدند اہلِ صفا و خلت　　کہ دہد ترجمہ اش نفع باہل کشور
بہوا خواہیٔ قومی و رضائے باری　　بندہ سہ سال پئے ترجمہ اش بست کمر
بارِ طبعش نتوانم کہ بخود بر دارم　　اندرین کار کشد طالع و بختم یاور
گر کنی ہمتِ مردانہ بہ طبعش ز کرم　　از تو خوشنود شود خالق و ہم پیغمبر
نامِ نامی تو تا روزِ جزا خواہد ماند　　ثبت در دفترِ اخلاص بدیوان قدر

غالباً امیر ممدوح نے صرف برداشت کر لیا تھا۔ اور مولانا کو دماغی محنت کے ساتھ روپیہ صرف کرنے کی زحمت گوارا کرنا نہ پڑی۔ ادھر نواب ہمایون۔ دریا دل میر عثمان علیخان بہادر فرمانروائے دکن نے ماہوار ۵۰ روپیہ کا منصب صلہ میں جاری کر کے مولانا کی اشک شوئی کر دی۔

(۴) **ترجمہ مواہب لدنیہ۔** ترجمہ کا کام ختم ہو چکا تھا طباعت جاری تھی۔ کچھ حصہ چھپ گیا تھا۔ کچھ باقی تھا۔ کہ راہیٔ ملکِ عدم ہوئے۔

(۵) **حقیقۃ الفقہ** ۔ علامہ زمان مولانا مولوی انوار اللہ خانصاحب بہادر معین المہام امور مذہبی ممالک

نظام نے عربی مین ایک کتاب لکھی تھی جس مین امام اعظمؒ کے حالات اور فقہ کی تاریخ سے بحث کی تھی۔ مولانا نے فارسی مین اسکا ترجمہ کیا۔ ۳۲ جز مین تمام ہوئی تھی۔ صفر ۱۳۴۷ھ مین مولانا نے لکھا ہے۔ کہ عنقریب طبع ہونیوالی ہے۔ غالباً شایع ہوگئی ہوگی۔

(۶) **رسالۃ فی الاختلاف بین الاشاعرۃ و الماتریدیۃ** - اسلام کے دو نامور فرقون کے اختلافی مسائل سے بحث کی ہے۔

یہ مولانا کا مذہبی کام ہے۔ اس پر انھین فخر تھا۔ آخر مین شعر و شاعری کو بیہودہ خیالی تصور کرکے، بقیہ عمر کو مذہبی تصنیف و تالیف مین صرف کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ خط مین اسکا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مذکورہ کتب و تالیف کے ماسوا اور علوم و فنون مین بھی چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے تھے۔ جن مین بعض نامکمل رہے۔ بعض پایہ تکمیل کو پہنچے مگر طبع نہو سکے۔

(۷) **مرات العروس** - حسن و عشق نعمت خانِ عالی کے طرز مین لکھی ہے۔ پندرہ جز مین تمام ہوئی تھی۔ طبع کی نوبت نہ آئی۔

(۸) **سہ نثر آصفی** - ملا نور الدین ظہوری کے سہ نثر کا جواب ہے۔ خوب خوب استعارات، تشبیہات اور صنائع و بدایع استعمال کئے ہین۔ غفران مکان حضور نظام مرحوم و مغفور اور اعیانِ ریاست کا مدحت نامہ ہے۔ جوانی کی تصنیف ہر سر بادۂ فخر و غرور سے مست تھا۔ ہر ہر جملہ سے جوشِ مسابقت ہویدا ہے حافظ صاحب کو تحریر فرماتے ہین۔

"سہ نثر آصفی بمدح غفران مکان طبع ہوکر ۲۵-۳۰ سال سے انصاف طلب ہے۔ اس مین جو کچھ جدتِ مطالب و مضامین ہوئی ہے۔ زیادہ انصاف کی محتاج ہے"

ایک قصیدہ مین سہ نثر کو ان الفاظ مین پیش کیا ہے۔

آن کتابے کہ شدہ پیش کشِ حضرتِ تو ۔۔۔ از ثنا ہائے نظام ست گرندہ دفتر
محسن الملک بہادر کہ بود معدنِ عقل ۔۔۔ پیش تو دوش بیفتاند بپایما گوہر
طرز سہ نثر ظہوری ست باندازِ شگرف ۔۔۔ کہ مضامینش کشد دل ز بر اہل ہنر
وصف اعیانِ گرامی دکن بست طراز ۔۔۔ قلم سحر نگارم چو بتانِ آذر

(۹) - **آثار الاقبال** - دکن کی عمارات کے حالات لکھے ہین۔ سات آٹھ جز کا رسالہ ہے۔

(۱۰) - **تاریخ دکن** - نامکمل رہی

(۱۱) **مسلکِ گوہر تاریخ خاندانِ مرلی دھر** - اس کتاب مین آفرینش آسمان و زمین، اور ضرورتِ تمدن سے بحث کرکے معتمدین صرف خاص سرکار نظام کے نادر واقعات درج کئے ہین۔ راے مرلی دھر معتمد صرف خاص قوم کے کایستھ اور اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ صرف خاص کے صدر المہام تھے۔ مولانا کا ان سے تعلق خدمت تھا۔ چنانچہ یہ کتاب ان کے خاندان کی تاریخ ہے۔

(۱۲) نظام سروری - صرف خاص اور عدالتِ دیوانی کے حکام کی مختصر منظوم تاریخ ہے - طبع نہین ہوئی -

(۱۳) شواہد النحو - علم نحو کا ایک مختصر رسالہ ہے -

(۱۴) قول فیصل - یمین السلطنۃ وزیر دکن نے حضورِ نظام کا سجع کہا تھا -

سکہ زد از فضل یزدانِ زمن میر محبوب علی شاہ دکن

سید مرتضیٰ فلسفی بلگرامی نے "یزدان زمن" کی ترکیب پر اعتراض کیا - اور آب زر نام رسالہ مین اس پر استدلال کیا - یمین السلطنۃ کی ایما سے مولانا نے اس کے جواب مین یہ رسالہ فارسی زبان مین لکھا تھا - مگر باہم صلح ہو جانے کے باعث طبع نہ کرایا -

(۱۵) کلیات نظم آصفی - قصائد، قطعات، ترکیب بند مثنوی، مخمسات وغیرہ کا مجموعہ ہے - مولانا نے اسے طبع کرانا شروع کر دیا تھا لیکن ناتمام رہا - ردیف نون تک طبع ہونے پایا تھا - کہ بعض وجوہ مانع آگئے - اس مین ۴۹ قصائد مکمل اور ایک ناتمام ہے - یہ ۴۹ قصائد ۳۶۸ صفحات مین ہین -

بیشتر وہی طرحین اختیار کی ہین - جن پر خاقانی، انوری، عرفی، طالب، حزین، اور قاآنی قلم اٹھا چکے ہین - حق یہ ہے کہ ان نامور شعرا کے دوش بدوش نظر آتے ہین - سر مو فرق نہین معلوم ہوتا - ابھی تک مولانا کا کلام اہل نظر سے پوشیدہ ہے - جب یہ جواہر ریزے اہل ادب کے سامنے آئین گے تو انہین فیصلہ کرنا پڑے گا کہ

"قاآنی اور غالب کے بعد ایران و ہند مین ان جیسا قادر الکلام شاعر پیدا نہوا"

کلیات ۱۳۲۶ھ مین طبع ہونا شروع ہوا تھا - لیکن مکمل طبع نہ ہو سکا - ردیف نون کی ابتدا تھی - کہ کام رک گیا -

(۱۶) دیوان آصفی - فارسی غزلیات اور مخمسات کا مجموعہ ہے - ۵۶۸ صفحات مین غزلین ہین - اس کے بعد مخمس ہین، لیکن یہ بھی ناتمام ہے -

(۱۷) رباعیات و قطعات - مولانا نے اپنی تمام رباعیان اور قطعے یکجا جمع کئے تھے - لیکن طبع کی نوبت نہین آئی - ارادہ یہ تھا - کہ تمام مجموعۂ اشعار کی تعداد تیس ہزار سے متجاوز نہو - حافظ صاحب کو لکھتے ہین -

"ارادہ ہے - کہ ۳۰ ہزار اشعار سے زیادہ کلیات نظم نہ رکھا جائے بلکہ اور بھی مختصر رہے - کون دیکھتا ہے"

(۱۸) قصائد عربی - بعض قصائد فارسی کلیات مین طبع ہو گئے ہین - باقی آغوش بیاض مین رہے، عربی قصائد سید علیخان مولوی، میر غلام علی آزاد اور بوفراس کے تتبع مین لکھے ہین - چونکہ متنبی و حماسہ زیر تدریس رہتے تھے اس لئے عربی قصائد مین قدیم سادگی پر ایرانی تخیل غالب ہے

(۱۹) مکاتیب عربی - مکاتیب غیر مرتب رہے - چند اجزا کا مبیضہ موجود تھا - طبع ہونے کا موقع نہین آیا - یہ ہین مولانا کی وہ مصنفات، جن کو مولانا "محض دردِ سر اور دنیا کی نمود کا سرمایہ" تصور کرتے رہے - کیونکہ ان کے نزدیک "اس وقت مین ایسے خیالات لاطائل تصور کئے جاتے ہین"

مولانا کو اپنے ادبی سرمایہ پر نہ ناز تھا۔ اور نہ وہ اسے کچھ اہم خدمت شمار کرتے تھے۔ دینی خدمت، سیر و احادیث کے تراجم سے شغف ہو گیا تھا۔ خود ان کے الفاظ ہین۔

"فارسی سرمایہ پر فخر کا موقع نہین۔ البتہ دینی خدمات جو عام مسلمانون کے لئے ہین، قابل وقعت ہین"

مولانا کا ایک مجموعۂ قصائد اور ایک دیوان تلف ہو گیا تھا۔ مولانا نے خود افسوس ظاہر کیا ہے۔ یہ قصائد اور غزلین اسکے بعد جمع کین۔ چونکہ کلام جمع کرنے کی طرف نہ رغبت تھی، اور نہ کوئی امر محرک، اسلئے بہت کلام ضائع ہو گیا۔

آصفی در شوکت آبادِ سخن
تکیہ بر تختِ سلیمان کردہ

کلام پر رائے شاعری کی ابتدا قصائد ہین۔ پھر شاعر کے زورِ کلام اور قدرتِ تخئیل، جدتِ طرز ادا اور چستی بندش کا اندازہ بھی قصائد سے واضح تر، کسی اور صنف کلام مین نہین ہو سکتا۔ اسلئے ہم سب سے پہلے مولانا کے قصائد کے خصائص سے بحث کرین گے۔

انوری۔ عرفی، فیضی، اور قاآنی وہ خداوندانِ قصائد ہین جن کے طرحون پر آصفی نے طبع آزمائی کی ہے۔ چونکہ یہ ہستیان اپنی مخصوص روشون کے مالک ہین۔ اسلئے دیکھنا یہ ہے۔ کہ آصفی نے ان مختلف روشون کی کس حد تک پابندی کی، تیز طبیعت پر کس رنگ کا غلبہ رہا۔ اس امر کے طے کرنیکے لئے، پہلے بالاختصار ان اساتذہ کی خصوصیات کا تذکرہ ضروری ہے۔

انوری کے کلام مین، سادگی۔ سلاست کے ساتھ قدرے مضمون آفرینی پائی جاتی ہے، عرفی کے ہان رفعتِ تخئیل، جدت تراکیب، اور ندرت استعارات نمایان ہین، فیضی مین، زورِ کلام، چستی، اور شوکتِ الفاظ، اور قاآنی مین سلاست درداتی، بحور کی نغمہ آفرینی، الفاظ کی ہم آہنگی، اور تراکیب کا زیر و بم مخصوص اوصاف ہین۔

خصوصیاتِ مذکورہ مین سے ہر ایک بجائے خود مستقل اور مکمل ہے۔ جس تک پہنچنے کے لئے نہایت پیچدار راستون سے گزرنا پڑتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ کوئی قصیدہ گو ان سب خصوصیات کا جامع نہین ہوا۔ جو کسی روش پر چلا۔ عمر بھر چلتا رہا مگر تمام نکر سکا، چہ جائیکہ کسی دوسری روش پر گامزن ہوتا۔

مگر اس کلیہ مین صرف ایک استثنا ہے۔ آصفی نے گامزنی شروع کی۔ تو ان چارون راستون کو پامال کر دیا۔ جس کے طرز مین قصیدہ لکھا۔ اس کا چربہ اتار لیا۔ دیکھنے اور سننے والا بلا پس و پیش خلط ملط کر لیتا ہے۔ اور کبھی شک نہین گزرتا۔ کہ یہ صاحب طرز کا کلام نہین ہے جو لوگ ان روشون سے ناواقف ہین۔ انکو صحیح اندازہ کرنا دشوار ہے۔ پھر ان کے نزدیک یہ امر لائق تحسین بھی نہین۔ مگر واقف کار جانتے ہین کہ بیک وقت و بیک دماغ ہر روش مین درجہ اجتہاد حاصل کرنا محال نہین تو مشکل ضرور ہے۔ اور اشکال بھی ایسا جو امتناع کے قریب قریب ہے۔

مگر ہمارے نزدیک یہ آصفی کے لئے حقیقی عزت نہین یہ امر بجائے خود کتنا ہی قابل تحسین وستائش ہو حیرت انگیز نہین دوسرے کا تتبع خصوصیت نہین قرار دیا جا سکتا۔ تقلید ہے۔ ہمین ان کے کلام مین یہ غور کرنا چاہئے۔ کہ خود ان کی اپنی روش کیا ہے؟ جب چشم انصاف سے ان کے قصائد کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے۔ کہ ان کی اپنی روش مذکورہ خصوصیات کی معتدل ترکیب ہے طبی اصطلاح مین، اخلاط اربعہ کی اعتدالی آمیزش کا نام مزاج ہے جب بہت یہ چارون ارکان اپنے مقررہ اعمال وفرائض بصلح وآشتی انجام دیتے رہتے ہین، انسان تندرست رہتا ہے۔ لیکن جہان کوئی ایک اپنے حدود سے متجاوز ہوا کسی مرض کا حملہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہی مثال شاعری کی ہے۔ قصائدہ کے اوصاف وہ ہین۔ جو اوپر بیان ہوئے۔ لیکن صرف دو چار باتون کا پایا جانا، قصیدہ کو "تندرست" نہین بنا سکتا۔ اسی طرح یہ حالت، ان اوصاف مین سے کسی ایک کے غلبہ سے بھی پیدا نہین ہو سکتی۔ قصیدہ صرف وہ بہتر یا "تندرست" کہلایا جا سکتا ہے۔ جس مین یہ اوصاف بالاعتدال پائے جائین۔

چونکہ آصفی نے ان تمام اساتذہ کا اتباع کیا ہے۔ جن کے خصوصیات اوپر مذکور ہوئے ہین اسلئے قصائد مین یہ سب اوصاف موجود ہین۔ البتہ سلامتِ طبع کے باعث ان کی ترکیب غیر معتدل نہین ہوئی۔ اسلئے ہم کہہ سکتے ہین۔ کہ آصفی کی روش مزاج ہے۔ قاآنی کی سلاست درداتی، عرفی کی نازک خیالی، اور فیضی کے زورِ کلام اور شکوہ الفاظ کو انہون نے اپنے ہان سمو دیا ہے۔

علامہ نے شعر العجم مین لکھا ہے "عموماً قصیدہ گو شعرا کی غزلین اور غزل نگار شعرا کے قصائد، بے مزہ ہوتے ہین" اس کی وجہ ان دونون اصناف کلام کے خصوصیات کا تضاد ہے، مگر آصفی اس کلیہ سے بڑی حد تک مستثنیٰ ہین، تفصیل کا محل نہین مجملاً یہ کہ آصفی کو، میدانِ تغزل مین بھی صحتِ ذوق اور سلاست طبع نے بے راہ روی سے باز رکھا ہے۔ ابتداءً بیدل و شوکت ہمدم وانیس رہے۔ اسلئے کلام "آئینہ ہی آئینہ" ہے۔ لیکن آخر مین حافظ، طالب، حزین، اور نظیری سے شغف ہو گیا تھا، اسلئے پچھلا کلام سادہ، پرمعنی، اور چاشنیٔ زبان سے لبریز ہے۔ طبیعت کی جدت پسندی نے یہان بھی نئی روش پیدا کی ہے۔

"نظیری کا تغزل، حافظ کا جوشِ بیان اور سادگی، طالب کی تخییل اور صائب کا مثالیہ گھل مل کر ایک ہو گئے ہین جس مین حافظ، طالب، اور نظیری کا رنگ غالب ہے"

قصائد مین آصفی کا دعویٰ ہے۔

همنوا گشته ام بخاقانی — ذوق آہنگ بر تر اندازد
پیش از عرفی و حزین رفتم — انوری دررہم سر اندازد

ہمہ و عرفی و فیضی و حزین و شوکت — اندرین مرحلہ چون برق شتابان رفتم
سعی اندیشہ درین عرصہ قدم پیش گزاشت — گرچہ درد ادیٔ ہستی پس ایشان رفتم

عادتِ خلق بود مردہ ستائی ز قدیم کس نگوید ببلاغت رہِ سعبانِ رفتم

غزل مین فرماتے ہین۔

چہ نظیری و چہ غالب، گل و لالہ چیدہ رفتند چو تو آصفی ندیدم چمنے طراز کردن

با سنائی و حزین طرحِ سخن افگندیم آصفی خواستہ دل دعوتِ یاران کردن

قصائد

ہم بیان کر چکے ہین کہ فارسی شعر کی ابتدا قصائد سے ہوئی۔ اس لئے سب سے پہلے یہی صنعت پایۂ تکمیل کو پہنچی ابو الشعر رودکی سے پیغمبر سخن انوری تک قصائد نے اپنے ابتدائی مدارج ارتقا طے کئے۔ انوری پہلا شاعر ہے، جس نے عمارتِ نظم کی آخری اینٹ رکھ کر، تعمیری کام ختم کیا۔

عربی قصائد کے اجزاء ترکیبی تین تھے۔ تشبیب۔ مخلص اور خاتمہ۔ اسلئے فارسی قصائد کے اجزا بھی یہی قرار پائے۔ جو شاعر ان تینون کے لوازمات و محاسن سے خوبی سے عہدہ برآ ہوا وہ کامیاب قصیدہ گو مانا گیا۔

لیکن عمارت کی تکمیل، اجزا کے ہیئتِ تالیفی اختیار کر لینے کا نام نہین۔ اس کے لئے ضروری نقوش، اور خط و خال کی آراستگی بھی درکار ہوتی ہے۔ خط و خال کا تعلق، ہر ملک کی آب وہوا، اور ذوقِ حسن کی پسندیدگی کے اختلاف کی بنا پر مختلف ہوتا ہے۔ ایران کا مذاقِ حسن، عرب سے بالاتر تھا۔ اسلئے عربی کے برخلاف، فارسی قصائد کے نقش و نگار، رفعتِ تخیل، شکوہِ الفاظ، جدتِ ادا، جوشِ تالیف، اور ندرتِ تشبیہ و استعارہ قرار پائے۔

آصفی نے قصائد مین اجزاء ترکیبی صورت اور خط و خال سب کا لحاظ رکھا ہے، اب ہم قصیدہ کے اجزا کی علٰحدہ علٰحدہ تحلیل کر کے، آصفی کا پایۂ سخن بتاتے ہین، چونکہ آصفی سے بیشتر، مضامین کی ہر نوعیت ضبطِ تحریر مین آ چکی ہے۔ اس لئے سلسلۂ کلام مین اساتذہ سے تقابل لابد ہے۔ ممکن ہے بعض قدامت پرست چین بجبین ہون۔ مگر میرے پاس صرف جواب ہے۔ یعنی۔

تو اے کہ محوِ سخن گستران پیشینی! مباش منکرِ غالب، کہ در زمانۂ تست

تشبیب

تشبیب کا عربی مفہوم، معشوقہ سے مخاطبہ، اور جذبات عشقیہ کا تذکرہ تھا۔ ابتدا ً فارسی مین بھی معشوق کے حسن و جمال، اور وصل و ہجر کی داستان کا نام تشبیب رہا۔ مگر رفتہ رفتہ، بہار و خزان، اخلاق و تصوف شکایت دہر، اور مناظرۂ اشیا وغیرہ بھی تشبیب مین جگہ پانے لگے آصفی نے ان تمام مضامین پر طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن شاعر کا زورِ طبیعت کا صحیح اندازہ عشقیہ جذبات و واردات کے بیان سے ہوتا ہے۔ اسلئے ہم پہلے اسی کو معرضِ بحث مین لاتے ہین۔

عشقیہ

عشقیہ تشبیب کے مخصوص مضامین یہ ہین۔ عشق کی آمد جذبات محبت کی تحریک، معشوقہ کے حسن و جمال کا

تذکرہ، اس کے ایک ایک عضو، اور ایک ایک نداز کی تعریف، بیوفائی کا گلہ، رشک ورقابت وغیرہ

اس صنف مین عرفی سباق الغایات ہے - وہ اس جوش وخروش سے سلطان عشق کی آمد کا تذکرہ کرتا ہے۔ کہ دنیائے قلب مین تہلکہ پڑجاتا ہے۔ علامہ شبلی لکھتے ہین۔ کہ عرفی حسین بھی تھا۔ اور حسن پرست بھی۔ اس لئے اسرارِ عشق کے بیان، اور کنایاتِ الفت کی ادامین کوئی شاعراس کا ہمسر نہین۔ جن رموز کو اس کا قلم ادا کرجاتا ہے۔ دوسرون کا خیال بھی وہان تک نہین پہنچتا۔

عرفی کے بعد غالب نے بھی انہین نقوش پر چلنے کی کوشش کی۔ مگر آصفی نے جس بلند آہنگی سے یہ نغمہ الاپا ہے، باید وشاید ـــــ خاقانی کا مشہور قصیدہ ہے

صبح چون زلفِ شب برا نداز د　　　مرغِ صبح ازطرب سرانداز د

تشبیب مین شب کا کوچ، صبح کی آمد، طلوع آفتاب، ساقی کی جستجو، اور طلبِ صبوحی کا بیان ہے۔ آمدِ صبح اور طلوعِ آفتاب کے متعلق فرماتے ہین۔

صبح چون زلفِ شب براندازد　　　مرغ صبح ازطرب سراندازد
گرگسِ شب، غراب وار، ازحلق　　　بیضۂ آتشین، براندازد
برتگاند صبا مشیمۂ شب　　　طفلِ خونین نجا در اندازد
زخمۂ مطربان، صدائے صبوح　　　درزبان ہائے مزمراندازد
برقدحہائے آسمان زنار　　　مشتری طلباں در اندازد

عرفی نے بھی اسی زمین مین قصیدہ لکھا ہے۔ مگر تشبیب مین تلاشِ عشق، جستجوئے شاہد، آرزوئے شراب ودر خواہشِ مغنی کا بیان ہے - ابتدا عشق اور شراب سے کی ہے لکھتا ہے

عشق کو؟ تاخرد براندازد　　　عودِ شوقے بہ مجمراندازد
درد را در دلم ببا لاید　　　عافیت را بہ بستراندازد
مرغِ جان رابر دبہ بلغ گلے　　　کہ اگر پر زند، پرا ندازد
صیدِ دل راکشد بہ بندِ کسے　　　کہ اگر سر کشد، سراندازد

آصفی نے عرفی کا تتبع کیا ہے اور انکی تشبیب بھی ازسرتاپا عشقیہ ہے، عرفی کو جس عشق کی تلاش تھی۔ اسمین صرف یہ صفات درکار تھے

(۱) عقل وخرد سے بیگانہ کردے۔

(۲) آتشِ شوق سے سینہ مین آگ لگادے

(۳) دل کو درد سے بھر دے
(۴) عافیت و سلامتی کو بیمار ڈالدے
(۵) ایسی بزم مین لیجائے۔ جہان زبان قلم ہوتی ہو۔
(۶) اور ایسے ظالم کے دام مین پھنسا دے۔ جہان سر اُٹھاتے ہی سر قلم ہو جائے۔

مگر آصفی کے خیال مین یہ عشق کی معمولی سطح تھی۔ انہین جس شراب الفت کی تلاش تھی۔ اسے ایسا تیز و تند اور برہم زنِ عقل و ہوش ہونا چاہیئے۔ کہ ساغر مین انڈیلتے ہی فتنہ ہائے حشر برپا کر دے۔ فرماتے ہین۔

عشق چون مے بساغر اندازد   فتنۂ حشر در سر اندازد

"شراب عشق ساغرِ دل مین پہنچتے ہی، دماغ کو قیامت خیز فتنون سے درہم، برہم کر دیتی ہے"

جوشِ سودا، جحیم افروزد   مغز سر را، بآذر اندازد

"جنون کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ ہر ہر گوشۂ دل جہنمی آگ سے بھر جاتا ہے۔ اور بھیجے سے دہکتے ہوئے کوئلہ کی طرح شرارے لگتے ہین"

آتشین نالۂ قیامت کار   شعلہ در چرخِ اخضر اندازد

"نالون کی سوزش اور گرمی سے، آسمان جل بھن کر تودۂ خاک ہو جاتا ہے۔ اور دنیا آنیوالے دن کا دھوکہ کھاتی ہے"

بہوائے سوادِ چشمِ غزال   طرحِ صحرا زکشور اندازد

"دل مین آہو نگاہ حسین کی کالی کالی آنکھون کی محبت کروٹ لیکر اٹھتی ہے۔ اور دنیا ویران نظر آتی ہے"

اضطرابِ رگِ دلِ بیتاب   رعشہ در برقِ مضطر اندازد

"دل مچلتا ہے۔ اضطراب اور بے چینی چٹکیان لیتے ہین مگر۔ آہ وہ اضطراب جس کو دیکھکر بجلیان کانپ اٹھتی ہین"

دیدہ از خونِ دل زند طوفان   دل ز آہ، طرحِ محشر اندازد

"آنکھون سے خون کا طوفان اُمنڈ پڑتا ہے آہین دلون کو بے چین کئے دیتی ہین۔ اور آہون سے سننے والون کے دل لرز جاتے ہین"

ہوش بہر وداع برخیزد   بیخودی، طرح بستر اندازد

"ہوش و حواس رخصت ہو جاتے ہین۔ اور ایک خوش آیند بیخودی آپے سے باہر کر دیتی ہے"

ہر سرشکے کہ از مژہ غلطد   جوش در بحرِ خون در اندازد

"آنسوؤن کی جھڑیان لگ جاتی ہین۔ اور ہر قطرۂ اشک پر خون جوش مارنے لگتا ہے۔ کاش! ایک ہی آنسو مین سب کا سب نکلیتا!"

دم طوفانِ چشم دجلہ کشا کشتیٔ چرخ، لنگر اندازد

" اگر مین یہ کہون کہ "میرے نالون کے درد سے آسمانی مخلوق بلبلا اٹھتی ہے" تو کچھ مبالغہ نہین"
معانی پر غور کرو۔ دل خون ہوتا ہے۔ تراکیب دیکھو۔ نالۂ قیامت کار، چشمِ دجلہ کشا۔ پر سر دھننے کو جی چاہتا ہے پھر کلام کا زور، معانی کی رقت، اور الفاظ کی برجستگی، عرفی کو شرماتی ہے۔

شاہد و شراب کی تعریف مین عرفی نے زیادہ سے زیادہ جو کہا ہے۔ یہ ہے۔

شاہدے کو۔ کہ یک نفس گوشے بدل دردِ پردر اندازد
آن کہ از ناز و غمزہ برجانم گہ سنان، نگاہ خنجر اندازد
در متاعِ وفا، بجیب دلم نہ اقل و نہ اکثر اندازد
ہر شکستے کہ از دلم خیزد بدو زلفِ معنبر اندازد
آسمان رنگ شیشۂ طلبد کافتابے بساغر اندازد
در شراب افگند دلِ گرمم دوزخے را بکوثر اندازد

مگر آصفی نے جس بلند آہنگی سے ماجرائے عشق اور اندازِ حسن بیان کیا ہے۔ محال نہین۔ تو ممکن بھی نہین کہا جا سکتا فرماتے ہین۔

تا بکے چشمِ خونفشان ساقی آبِ احمر، بساغر اندازد
چشمِ مخمود را اشارت کن تازہ، طرح دیگر اندازد

"ساقی، کب تک خونِ جگر پیتا رہون۔ برائے خدا، اپنی مخمور آنکھ کی مستانہ نگاہ سے میرے دنیائے قلب مین انقلاب برپا کردے"

مغزِ افسردہ را دہد گرمی چون سمندر بآذر اندازد

"متواتر ناکامیون نے یا (بالفاظِ دیگر) تیرے بیجا تغافل نے دل کے سارے ولولے مٹا دیئے۔ آج تو اپنے شرابِ عشوہ سے، اس کو از سرِ نو بیقرار کردے"

آبلہ پائیم بہ منزلِ عشق خار در راہِ رہبر اندازد

"میری بیقراری ناکام سعی مین، روح پھونکدے۔ اور مین ایسے مست ذوق قدمون سے تیری مہربانی کی تلاش کرون۔ کہ راہ بر بھی تھک کر بیٹھ جائے"

دلِ دوزخ شرارۂ دارم کہ بکونین آذر اندازد

"دل مین محبت کی آگ بھڑک اٹھے اور ساری تمناؤن اور آرزوؤن کو جلا کر خاک کردے۔ صرف تیری یاد ہو۔

اور دل ہو"

گرمیٔ نالۂ شب آہنگم شور در مغز محشر انداز د

"رات کی تاریکیون مین، میرے پر سوز نالے، کسننے والون کے دلون کو پانی پانی کردین - اور وہ اپنے دماغون مین محشر نما انقلاب محسوس کرنے لگین"

ہر نفس صبر رخت بر بندد در جگر نالہ بستر اندازد

"منٹ منٹ بھر مین صبر و قرار کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے - اور لمحے لمحے مین جگر سے نالے نکلین"

آہِ گرمم، چنان بسر گریست کہ شرر ہا بہ کوثر اندازد

میری گرم آہین، اس قدر سامانِ سوزش رکھتی ہین کہ اگر کوثر کو ایک لپٹ بھی لگ جائے - تو ساری ٹھر شعلہ بنکر اُڑ جائے - بالفاظِ دیگر میری دل کی لگی کو کوئی لذت، کوئی ذوق، اور کوئی سعی نہین بجھا سکتی - گو وہ آسمانی اثرات ہی کیون نرکھتی ہو"

در جہان خوار گشتہ ام از عشق وائے گر چشم دلبر انداز دا

"ظالم یہ تو سوچ - کہ صرف تیری محبت کے باعث، اسقدر رسوا ہوا ہون - اور پھر اپنی بے مروتی سے آنکھ پھیرے لیتا ہے - افسوس میرے حال پر، اگر مین ترے دل مین جگہ نپا سکون"

عرفی کا دلبر، ناز و غمزہ سے خنجر و سنان کا کام لیتا تھا - اور متاعِ وفا کا سخت دشمن تھا - مگر آصفی کا دلبر، وہ تھا کہ

کافرین غمزہ اش بکشور دین انقلابے چو کافر اندازد

"جسکا غمزہ دشمنِ ایمان ہے - اور جس کی مست نگاہون کے سامنے سارا زہد و تقوی کافور ہو جاتا ہے - ادھر اس نے ترچھی نظر سے دیکھا - اور ادھر خشک فلسفہ پر بجلی گری"

نازِ او، چون شکستِ دل خواہد بہ چین بزلفِ معنبر اندازد

"اُس کی عنبر جیسی کالی، اور خوشبو دار زلف کی شکن پر دل لوٹ ہو جاتا ہے - جہان اسے چھیڑنا مقصود ہوا - زلفون کو شکن در شکن بنا کر عاشق کے دل کو بیقرار کردیا"

فتنہ ہائے نگاہِ بیمارش ناتوانم بہ بستر اندازد

"جس کی بیمار نگاہین اسقدر فتنہ گر ہین - کہ اپنی خوش ادائی سے، عاشق کو ہمید و یاس کے پنجہ سے چھڑاتی بھی ہین - اور پھر پھانسی بھی دیتی ہین

بادِ سودائے زلفِ او بسرم طرحِ آشوبِ محشر انداز د

"جسکی زلفون کی محبت نے میرے سر کو میدانِ محشر بنا دیا ہے - دن رات یاد کرتا ہون - اور پریشان ہوتا ہون"

بہ تبسم ز تابشِ پروین شعلہ در ہفت اختر اندازد

"جب وہ مسکراتا ہے۔ تو اس کے دانتون کی چمک پر آسمان کے ستارون کو رشک آتا ہے"

قامتش سرو را ز رعنائی در گلستان زپا در اندازد

"جو اس قدر موزون قامت ہے۔ کہ سرو باوجود ہمہ موزون قامتی، اسکے سامنے باغ مین کھڑا نہین ہو سکتا"

یہ تھی پروردۂ عشق، عرفی کی کائناتِ تخیل۔ جس پر آجتک لوگ سر دھنتے ہین، ایک شخص دوسرے کو زبان سے اجنبی ہونے کا طعنہ دیسکتا ہے۔ پست تخیل نہین کہہ سکتا۔ عرفی اہل زبان تھا مسلم لیکن تخیل فارسی کا پابند نہین۔ وہ عشق پیشہ تھا۔ درست۔ مگر عشق پر کسی کا زور نہین۔ اوسکا معشوق قیامت تھا صحیح لیکن حسن کی کائنات ختم نہین ہوئی ہے۔ آصفی اہلِ زبان نہ تھے۔ مگر زباندان تھے پھر مبتلائے عشق دل اور ایسا معشوق پایا تھا جس کا مثل لا عین رأت و لا اذن سمعت و صا خطر علی قلب بشر۔ تخیل بلند تھا جو کچھ کہا ہے۔ اس حسن و خوبی سے کہا ہے۔ کہ عش عش کرنا پڑتا ہے۔ تراکیب کا زور، الفاظ کی برجستگی، معانی کی بلندی، اور جذبات کی رقت کیا ہے۔ جو انکے ہان نہین

(۲) انوری کا مدحیہ قصیدہ ہے "خنجر آفتاب" اور "اخگر آفتاب کی" زمین مین ہے۔ تشبیب عشقیہ ہے لیکن متعلقاتِ عشق مین سے صرف معشوق کی مدح سرائی پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس قافیہ اور ردیف کے لئے تشبیہ واستعارہ لازم ہے۔ استعارہ کی خوبی یہ ہے۔ کہ نازک اور قریب الفہم ہو۔ اسلئے وہی شعر کامیاب کہلاتا ہے۔ جس مین استعارہ نازک، سہل، اور تشبیہ لطیف ہو۔

انوری متقدمین مین سے ہے۔ اسلئے اس کے ہان استعارات کی نزاکت اور تخییل کے نقش و نگار مفقود ہین مگر آصفی نے اس زمین مین، استعارات کے رنگا رنگ گل کھلائے ہین۔ انوری کا پورا قصیدہ ۴۵ شعر کا ہے۔ آصفی کی تشبیب مین ۳۴ شعر ہین۔ ہم پہلے انوری کی تشبیب کے اشعار لکھتے ہین۔ پڑھو۔ اور غور سے پڑھو۔ انوری کو صرف تقدم کا شرف ہے۔ ورنہ آصفی، آصفی ہے۔

انوری

اے از کمالِ حسنِ تو، جزوے در آفتاب — خطت کشیدہ دائرۂ شب بر آفتاب

زلفِ چو مشکناب ترا بندہ مشکِ ناب — روے چو آفتاب ترا چاکر آفتاب

آنجا کہ زلفِ تست، ہمہ یکسرہ شب است — وانجا کہ روئے تست ہمہ یکسر آفتاب

باغیست عارضِ تو کہ دارد ستارہ برگ — سرویست قامتِ تو، کہ دارد بر آفتاب

بر ماہ مشک داری و بر سرو گلستان — در لالہ نوش داری و در عنبر آفتاب

گر حورِ آفتاب نہم نام تو رواست — کاندر کنار حوری و اندر بر آفتاب

از چہرہ آفتابی و از بوسہ شکری — بس لایق است یا شکرت ہمسر آفتاب

انگیختہ است حسنِ تو گل با مہِ تمام واميختہ است لعلِ تو با شکر آفتاب

انوری خدائے قصائد ہے۔ اپنی سادہ روش مین، کس خوبی سے حسن کی صفت و ثنا کرتا ہے۔ اشعار نمبر ۲-۳-۶۔ سادگیٔ ادا کا بہترین نمونہ ہین۔ مگر آصفی فغانیہ اسکول سے تعلق رکھتے ہین۔ انوری کی ہمنوائی اختیار کی۔ لیکن فکر پست نہین ہوسکتی۔ سادہ تخیل مین بلندیٔ فکر کی رنگ آمیزی ہے اور بے حد لطیف ہے۔ دنیائے شعر "آفتابی" نظر آتی ہے فرماتے ہین۔

اے یک رخِ تو ماہ و رخِ دیگر آفتاب هم چہرۂ تو مہ نشود، ہمسر آفتاب

"چاند۔ سورج، تیرے پیارے پیارے رخسارون کی ہمسری نہین کر سکتے۔ تیرا ایک رخسارہ چاند۔ اور دوسرا سورج ہے۔ پھر وہ دونون فرداً، فرداً۔ سورج ایک مجمعِ حسن و جمال کے مقابل ہو سکتے ہین"۔

از زلفِ مشک سائی تو یک نفحہ مشک ناب وز سنبلِ سیاہِ تو، یک اخگر آفتاب

"خالص مشک، تیری کالی کالی خوشبودار زلف کی ایک لپٹ ہے اور سورج تیرے سیاہ کاکل کا ایک شرارہ"

در طرہ حلقہ داری، در حلقہ مہر و ماہ در مہ ہلال داری، و پروین در آفتاب

"تیرے طرہ مین حلقے، اور حلقون مین چاند سورج نظر آتے ہین۔ تیرے چاند سے مکھڑے مین، خمدار ابروؤن کے ہلال، اور آفتابی چہرہ مین ستارے جگمگا رہے ہین"

از خطِ تیرہ نوش، لب تو بہ مشکِ ناب وز سنبلِ سیاہ تو، در عنبر آفتاب

برروئے آتشینِ تو خالِ سیاہ نیست دودِ دلِ شب ست کہ پیچد بر آفتاب

یہ اشعار سادہ قدیم تخیل کا نمونہ ہین۔ انوری کے اشعار سے مقابلہ کرو۔ کسقدر مشابہت ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی متقدم شاعر انوری کا ہمنوا ہے۔ لیکن یہان سے فغانیہ رنگینی شروع ہوتی ہے۔

گر سایہ افگند، سرِ زلفِ تو، بر سپہر گردد کبود چہرہ، چو نیلوفر، آفتاب

"اگر کہین تیرے سیاہ کاکلون کا سایہ آسمان پر پڑ جائے، تو، سورج کا چہرہ نیلوفر کے پھولون کی طرح نیلا ہو جائے"

چون میکشانِ مستِ شبینہ، دمِ سحر بر طاقِ ابروے تو کشد ساغر آفتاب

سبحان اللہ:۔ حسنِ تعلیل کا خاتمہ کر دیا۔ صبح کو سورج نکلتا ہے تو مست شرابی کی طرح آہستہ آہستہ ابھرتا ہے۔ چہرہ سرخ، شعاعون کے سہارے آسمانی میدان مین گامزن۔ شاعر دیکھتا ہے۔ اور مستِ مئے حسن خیال کرتا ہے۔ "جب آفتاب افق سے سر نکالتا ہے۔ تو خمار شکنی کے لئے، رات بھر کے مدہوش مئے نوش کی طرح دو چار جام تیری شرابی آنکھون کی یاد مین ضرور پی لیتا ہے ورنہ یہ چمک دمک، اور یہ حسن کی گرمی نہین آسکتی"

گردد لبانِ دیدۂ شبنم، نگاہِ او بیند بآفتاب رخِ تو، گر آفتاب

"تیرا حسن نظر سوز ہے۔ چنانچہ تیرے آفتابی چہرہ پر سورج کی نگاہ بھی نہین ٹھہر سکتی۔ پہلی نظر اوس کے قطرہ کی مانند تھر تھرا اُٹھتی ہے۔"

گر افگنی نقاب جمالِ جہان فروز　　گردد نہان بہ پیشِ تو چون شپر آفتاب

"یہ شعر تقریباً گذشتہ شعر کا ہم معنی ہے۔ یہان آفتاب کو چمگادر، اور معشوقہ کے حسن کو آفتاب قرار دیا ہے۔"

دارد سحر، ز قطرۂ شبنم بباغِ دہر　　از اشتیاقِ روئے تو چشمِ تر آفتاب

"یہ شعر بھی حسنِ تعلیل پر مبنی ہے۔ شاعر، باغ مین پھولون پر اوس کے قطرے دیکھتا ہے۔ علی الصباح، پانی کے قطرے، پتون پر کہان سے آسکتے ہین۔ یہ تو بالکل آنسو سے نظر آتے ہین! شاعر فوراً تاڑ جاتا ہے۔ کہ ہو، نہو سورج اسکے حسن وجمال پر فریفتہ ہوگیا ہے۔ اسلئے اشتیاق مین گریہ وزاری کیا کرتا ہے یہ اس کی آنسوون سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھین ہین۔ اوس کے قطرون کو سورج کی آنکھ قرار دینے مین، اشتیاقِ دید کا ایک عالم نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ اللہ۔ اللہ۔ لاکھون آنکھین ہین۔ اور پھر بھی دیدار سے محروم ہے"

از اضطرابِ جلوہ، ہندوست پیشِ چشم　　بر حسنِ تو نگاہ کشاید گر آفتاب
حیرت نظر شود، چو حبابِ شرابِ ناب　　بیند دمے کہ عکسِ تو در ساغر آفتاب

دونون شعر ہم معنی ہین مطلب یہ ہے۔ کہ سورج بھی تیری تجلیٔ حسن کی تاب نہین لاسکتا۔ مگر دوسرا قیامت ہے۔ ساغرِ شراب مین معشوق کا حسن عکس فگن ہے۔ عکس وہ چمک دمک کھو بیٹھتا ہے۔ جو اصل مین ہوتی ہے۔ لیکن یہان یہ عالم ہے۔ کہ عکس پر نظر پڑتے ہی، حیرت طاری ہوجاتی ہے۔" آفتاب کی تمثیل، حبابِ شرابِ ناب سے بیحد خوب ہے"

گاہے بود، ز برگِ بنفشہ، کلت بشک　　گاہے بود ز قیرِ تو، در عنبر آفتاب
شاید خیالِ روئے تو آید بخواب او　　پہلو نہد بہ شب، بہ سرِ بستر آفتاب

"حسنِ تعلیل کی یہ تیسری نادر مثال ہے۔ غروبِ آفتاب کی علت کیا ہے۔ علمائے ہیئت کا خیال ہے۔ کہ زمین کی گردش، سورج کو ہماری آنکھون کے سامنے سے ہٹا دیتی ہے۔ یہ خشک دماغ فلسفہ ہے۔ شاعر کی لطافتِ خیال یہ بار نہین اُٹھاسکتی۔ اوس کے نزدیک علت کچھ اور ہی ہے۔ یعنی
روزانہ رات کو، سورج صرف اسلئے بستر پر جالیٹتا ہے۔ کہ شاید خواب ہی مین تیرے خیال کا دیدار ہوجائے۔" نزاکت حسن کی حد ہوگئی۔ "خیال رو"۔ "بخواب" اور پھر "شاید" کی لطافتِ مفہوم کو دیکھو بے نظیر جدت ادا ہے۔

از حیرتِ خیالِ تو، ہم رنگِ آئینہ　　در شش جہت مدام بود ششدر آفتاب

"تیرا خیال اس درجہ حیرت فزا ہے۔ کہ آئینہ کی طرح سورج بھی چارون طرف ٹکرے مارتا پھرتا ہے"

(۳)۔ انوری نے ایک قصیدہ مین "مرجان آمدہ ست" اور "نمکدان آمدہ است" زمین اختیار کی ہے۔

تشبیب عشقیہ ہے، لکھتا ہے

بید لان را روئے تو، آئینۂ جان آمدہ ست — وز لب و دندانِ تو، لولو و مرجان آمدہ ست
چون نسیم زلفِ تو بو بید، گو بید از فرح — مژدہ اے گیبان، کہ مارا مژدۂ جان آمدہ ست
گرچہ خوانِ حسن روئے تست، بہرِ ملح را — زان لبِ شکر فشان برقی نمکدان آمدہ ست
از گلِ رخسارِ تو، اے خارِ عشقت سینہ را — خار خارے در دلِ گلہائے بستان آمدہ ست
روئی تو ماہ ست و دل از مہر خاکِ کوئی تو — ہمچو عکسِ مہر و مہ در آب لرزان آمدہ ست
خونِ دل بر خاک مے افشانم از دولابِ چشم — تا مرا سودائی آن چاہِ زنخدان آمدہ ست
کلبۂ دل بیتِ معمورِ فلک را طعنہ زد — تا خیالت اندران ویرانہ مہمان آمدہ ست

آصفی نے بھی اس زمین نعتیہ قصیدہ لکھا ہے چونکہ نعت مین ممدوح وہ ذات ہوتی ہے۔ جو مسلمانون کے عقیدہ کے موافق "بعد از خدا بزرگ" ہے۔ اسلئے کلام مین خود بخود زور پیدا ہوجاتا ہے اس قصیدہ کی تشبیب بھی عشقیہ ہے۔ چند شعر لکھے جاتے ہین۔ شوکتِ الفاظ، رفعتِ تخیل، حسنِ بندش، اور جدتِ ادا کا مکمل نمونہ ہین، فرماتے ہین۔

نوشِ لعل جان فزایش، آبِ حیوان آمدہ ست — در کنارِ دل، بذوقش عالمِ جان آمدہ ست

کہنا یہ تھا۔ کہ معشوق کے منہ سے جو بات نکلتی ہے۔ دل مین گھر کر لیتی ہے۔ طرزِ ادا کی جدت دیکھئے۔ کہ اس مضمون کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔ یعنی "ہو۔ نہو۔ اُس کے جان فزا لب چشمۂ حیوان، اور اس کی باتین آبِ حیات ہین۔ جس کا قطرہ قطرہ، دنیائے عشق کے لئے زندگی، اور روحون کے لئے تازگی ہے۔ ورنہ "عالمِ جان" اور دنیائے کیفیات، اس کے ذوق مین، دل مین سمٹ کر نہ آجاتی"

نرگسِ مستش مگر مے زد ز خونِ آفتاب — موئے مژگانش، رگِ لعلِ بدخشان آمدہ ست

آنکھ کی خوبصورتی صرف یہی نہین ہے کہ بڑی اور اُبھری ہو، اس کے ساتھ چمک دمک بھی ہونا چاہئے۔ ورنہ "بیل کے دیدون" کی پھبتی راست آتی ہے۔ دنیا مین جسقدر چمکدار چیزین موجود ہین۔ ان مین روشن تر آفتاب ہے۔ شاعر کو معشوق کی آنکھ کی چمک کی تمثیل اس سے زیادہ مکمل اور موزون کہان مل سکتی ہے۔ اسلئے وہ فوراً کہہ اُٹھتا ہے۔ کہ اسکی آنکھ سورج کی طرح چمکدار ہے۔ لیکن یہ ایک سیدھی سادی بات ہے۔ اور پھر بلا دلیل یقین کون کرے گا۔ اسلئے اسکو مدلل بیان مین ادا کرتا ہے۔ یعنی "اس کے پلک لعلِ بدخشان کی طرح دمک رہے ہین۔ غالباً مست و سرشار نرگسی آنکھون نے، سورج کے خون کی شراب پی ہے۔ ورنہ اسقدر چمک دمک، اور آب و تاب، خاکی مخلوق مین پیدا نہین ہو سکتی"

یہ شعر جدت، اور حسنِ تعلیل مین بے نظیر ہے۔ "نرگسِ مست" ہی کیا کم صفت تھی۔ کہ اسپر "خونِ آفتاب" کی مے سے مستی اور سرشاری کا طوفان برپا کر دیا۔ پھر بظاہر اسے مست کہا، لیکن بباطن "آبدار" بھی کہدیا۔ سبحان اللہ!

اس کے علاوہ ایک لطیف پہلو بھی ہے۔ کہ "مے خونِ آفتاب" چشمِ فتنہ خیز کی ہمہ گیری پر بہرہ ہے جب اسکی نگاہِ ناز کی عالمگیری کا یہ عالم ہے۔ کہ آفتاب بھی، باایں ہمہ آب وتاب، اور شکوہِ حسن وجمال اس کی دستبرد سے محفوظ نہین رہا۔ توپھر اور کون تاب لاسکتا ہے

ازہوائے زلفِ مشکینش نفس خواہد مشک وزخیالِ روئے او، در دل گلستان آمدہ ست

" اسکی مشکین زلفون کی چاہت، انسان کی سانس کو مشک کے خوشبودار پردون مین سلاتی ہے۔ اور چہرہ کا تصور دل کو چمن بنا دیتا ہے"

رنگِ رخسارش چمن را غوطہ در خون میدہد تیغ حسنِ او، بخون ریزِ بہاران آمدہ ست

کہنا یہ تھا۔ کہ اسکا چہرہ کندن کی طرح دمکتا ہے۔ یا گلاب کے پھول کی طرح روشن ہے۔ اس کو اس طور سے ادا کرتے ہین

" چمن مین سرخ سرخ پھولون کی چادر بچھی ہے دراصل یہ خون کی چادر ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسلئے کہ اسکے رخسارون کے رنگ نے حسن کی تلوار سے، طفلانِ بہار کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے یہ اُن کا خون ہے۔ جس مین چمن ڈوبا نظر آتا ہے"

تاچہ میدارد تطاول کاکل او درچمن سنبل از آشوبِ او برخویش لرزان آمدہ ست

شورِ لذت جوشد از ہر پارۂ زخمِ جگر از شکرخندش در آغوششِ نمکدان آمدہ ست

کہنا یہ ہے۔ کہ اس کی ہنسی سے ہماری مردہ تمناؤن مین جان آجاتی ہے۔ مگر اس کو ادا کرنے کے لئے کیسا موثر طرزِ ادا اختیار کرتے ہین۔ فرماتے ہین :- " اس کے خندہ سے ہمارے زخمی جگر کو نمک پاشی کا لطف آتا ہے۔ جب وہ ہنستا ہے۔ جگر کا ہر ہر زخم چلا اُٹھتا ہے۔ کہ ہان تھوڑا سا اور سے عمرت دراز بادکہ من تشنہ ام ہنوز"

نالۂ حسرت در آغوشِ دلم گردید خون تاکہ دردِ جان گسل از عشق درمان آمدہ ست

" عشق کا علاج یہ ہے۔ کہ درد حد سے گزر کر جان فرسا ہوجائے۔ اسلئے مین نے اپنے پر حسرت نالون کو گھوٹ گھوٹ کر دل میں فنا کر دیا" یعنی عشق ومحبت کی بے چینیون مین تسکین صرف اس سے ہوتی ہے کہ انسان آہ وزاری کرلے اور دلکا بوجھ ہلکا ہوجائے لیکن میرا دردِ الفت عام حالت سے برتر ہے۔ اسکا علاج یہ ہے۔ کہ اپنی تمناؤن پر مہربانی پھیرکر، عالم سے بیخبر ہوجاؤن اور بوالہوسون کے خلاف حسرت ویاس کی بندشوں سے آزاد رہون۔

ایک دم در حلقۂ زلفش نشد وحشت فروش از فشارش یک جہان دل پریشان آمدہ ست

" زلف شعرا کے خیال مین "پریشانی اثر" ہے۔ مضمون عام ہے اور تقریباً ہر شاعر نے مختلف صورتون سے باندھا ہے۔ آصفی نے بھی لکھا۔ مگر " وحشت فروش " اور " یک جہانِ دل " کی پاکیزہ ترکیبون سے نزاکت کو دوبالا کردیا۔ اور صرف شاعر ہی کا دل وحشئ زلف نہین ہے۔ اسکی زلف کی وحشت اسقدر محیط ہے۔ کہ سارا جہانِ دل اسکے

اثر سے پریشان ہے"

صد جنون شوخی، ز نقش پا سیاہی می کند — گرد راہش، سرمۂ چشم غزالان آمدہ است

"سیاہی کردن" کے معنی نمودار ہونا۔ یا ظاہر ہونا۔ ہین۔ شعر انقش پا کو شرخ لکھتے ہین۔ آصفی نے "صد جنون شوخی" کہکر مضمون کو فلک پر کردیا۔ معشوق کی شوخی شنگی کا یہ عالم ہے۔ کہ صرف اس کے قدمون کے سرخ نشان دیکھکر دنیا دیوانی ہورہی ہے۔ اور ہرن کی آنکھین اسکی راستہ کی خاک بجائے سرمہ کے استعمال کرتی ہین۔ اسی لئے اسقدر جہ سرخ اور سیاہ ہین۔

دوسرا مصرع "سیاہی" سے پیدا کیا ہے۔ بعض مرتبہ اشارات دماغ کو کہین سے کہین پہنچادیتے ہین۔ شاعر کہہ رہا تھا۔ صد جنون شوخی ونقش پا سیاہی میکند۔ کہ یکایک شوخی نقش پا اور سیاہی نے، ہرن کی سرمہ آلود آنکھ کی طرف خیال منتقل کردیا۔ عاشق کے نزدیک تمام دنیا معشوق کی ممنون ہے۔ یہان فورًا اسکی تاویل کرلی۔ اور دلکی تسکین ہوگئی۔

(۴) غالبًا سب سے پہلے منوچہرے نے عشقیہ تشبیب مین چاند کا ذکر کیا تھا۔ مگر منظر عام اور دلفریب تھا۔ اور منچلونکو کیسے قرار آتا متعدد شعرانے یہ مضمون لکھا اور خوب لکھا۔ آصفی کی باری آئی تو انہون نے بھی ایک تشبیب مین ماہتاب اور اسکی تشبیہات بیان کین۔ تشبیہ کی خوبی، ندرت اور قریب الفہم ہونا ہے، آصفی نے جسقدر تشبیہات اختراع کی ہین۔ نزاکت ندرت اور قرب فہم سے ہم آغوش ہین۔ رہی روشِ بیان کر دلکشی تو وہ مستزاد ہے۔

"چاند افقِ مغرب پر نمودار ہوتا ہے۔ لوگون کی نگاہین دیکھکر متحیر ہوجاتی ہین۔ کسقدر حسین، کیسا دلکش، اور کتنا جاذب نظر ہے۔ روشن، خم، شان، اور ادا کی یکتائی بغیر مشابہات اور نظائر کے سمجھ مین نہین آسکتی۔ دیکھنے والے امثلہ تلاش کرتے ہین۔ "دستبنۂ لیلی شام"، طوقِ زرین" وغیرہ مثالین چاند کے اوصاف کو نمایان کرتی ہین یہ جنکو آصفی یون ادا کرتے ہین

ماہِ نو نمود رخ چون از زمرد گون نقاب — چشم مردم او فتاد از پرتوش در ارتیاب

ہرکہ دیدش گفت "باشد غبغب سیمین ماہ — یوسفِ زرین رسن را افگند در چاہِ آب

پہلی تاریخ کا چاند دیکھکر شبہ مین پڑگئے۔ کہ یہ کیا ہے؟ جس نے دیکھا۔ وہ یہ سمجھا۔ کہ (۱) یہ چاند کی ٹھوڑی کا گڑھا ہے (۲) یا حسین یوسف نے کنوین سے پانی بھرنے کے لئے چمکدار رسی کنوئیں میں ڈالی ہے

یا کہ باشد، نیمۂ دستینۂ لیلیٰ شام — یا کہ زرین طوق افتاد از گلوئی ماہتاب

(۳) یا ملکۂ شام کے داستانہ کا آدھا ٹکڑا ہے (۴) یا چاند کے گلے سے سونے کا طوق گر پڑا ہے۔

یا ز بحرِ اخضر گردون، بہنگام شنا — ماہی زرین بر آورده سرے از زیر آب

(۵) یا یہ سونے کی مچھلی ہے جو آسمان کے نیلے سمندر مین، تیر رہی تھی۔ یکایک پانی کی چادر سے باہر نکل آئی ہے۔

(۶) مشہور ہے۔ کہ سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ مین ایک انگوٹھی پڑی رہتی تھی تمام جن وانس اس کے باعث

سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھے ایکبار کسی دیو نے حیلہ سے انگوٹھی اڑالی اس کے اثر سے بھیس بدلکر خود سلیمانؑ کی جگہ تخت پر متمکن ہوگیا اور حضرت آوارہ و سرگردان پھرنے لگے مگر۔ آپ کی بی بی نے مخصوص خصائل بناکر، اس دیو کی شخصیت مین شبہ کیا۔ اور معاملہ کی تہ تک پہنچ کر کسی صورت سے، اسے دفع کیا۔ انگوٹھی سلیمان علیہ السلام کو مل گئی، اور آپ پھر بادشاہ ہوگئے۔ آصفی نے چاند دیکھا۔ تو کالے کالے دیو جیسے آسمان مین نمودار ہوا ہے۔ لہذا فوراً اس قصہ کا خیال آگیا۔ فرماتے ہین۔

یا کہ عفریتِ فلک دارد بکف انگشتری کز طراز آن سلیمانؑ داشتے صد فرو تاب

یا بہ چرخِ لاجوردی، شام گاہان اوفتاد نیمۂ از عکسِ مرآتِ سکندر بے حجاب

(۷) یا شام کے وقت، سکندر نے غلاف سے اپنا آئینہ نکالا تھا اسکے عکس کا کچھ حصہ آسمان پر پڑ گیا۔ اور دنیا سمجھی۔ کہ چاند ہے۔

یا بزر بگرفتہ بالِ خویش را ورقائے شام یا پرِ منقائے مغرب، بردمیدہ از غراب

(۸) شام کے وقت نہ دن کا سا اجالا ہوتا ہے۔ اور نہ رات کی سی تاریکی۔ یہ وقت روشنی اور ظلمت کا سنگھم ہے۔ اس لئے آصفی اسے جنگلی کبوتر سے تشبیہ دیتے ہین۔ جو ہلکا سبز سا ہوتا ہے۔ فرماتے ہین۔ یہ چاند نہین ہے۔ شام نامی کبوتر کا پر ہے۔ جسپر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا ہے۔

(۹) یا عنقائے مغرب کا پر کوے (شب یا شام) کے نکل آیا ہے

یا فتاد از بازوئے سیمرغ سبز آسمان شہپر یاقوت رنگے، در فضائے مشک ناب

(۱۰) جھٹپٹے کے وقت فضا تاریک ہوجاتی ہے شاعر اسکو مشک کی فضا کہتا ہے۔ اسلئے کہ مشک کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اسوقت آسمان کا رنگ بھی نیلا سیاہی مائل ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مشک کی خوشبو دل کو بھاتی ہے شام کا سمان بھی خوش آیند ہوتا ہے نور و ظلمت دن بھر کی جدائی کے بعد ہم آغوش ہوتے ہین۔ اس سے روح کو ناقابل تحلیل کیف حاصل ہوتا ہے، پرندون کا رنگ عموماً گہرا سبز ہوتا ہے۔ اس لئے نگاہ کو آسمان پر عظیم الشان پرند سیمرغ کا دھوکا ہوتا ہے چنانچہ لوگ چاند کو دیکھکر یہ خیال کرتے ہین کہ سیمرغ آسمان کے بازو سے ایک یاقوت جیسا سرخ پر ٹوٹ کر اس مشک جیسی فضا مین گر پڑا ہے

یا کمانِ زالِ زر را، کرد پرکش روزگار بہرِ صید تیرِ عشرت، شد خدنگِ آن شہاب

(۱۱) یا یہ زال زر کی کمان ہے۔ جسے زمانہ نے اسلئے چڑھایا ہے کہ شہاب کے تیر سے عیش و عشرت کو شکار کرے۔ رات کا وقت عیش کا اصلی وقت ہے۔ شاعر کے خیال مین زمانہ نے چاند کی خمیدہ کمان سے مار کر دنیاداروں کے لئے مہیا کیا ہے چاند کو کمان، شہاب کو اسکا تیر، اور عیش و عشرت کو شکار، اور زمانہ کو شکاری یا کماندار کہکر، آصفی نے ایک تصویر کھینچ دی ہے جس کا ایک ایک خط واقعیت سے دست و گریبان ہے۔

یا فتادہ از رکاب توسنِ اونیمۂ شاہِ خاور راند چون درعرصۂ گردون شتاب

(۱۲) ۔ یا آفتاب، آسمان کے وسیع میدان میں، گھوڑا دوڑاتا جا رہا تھا۔ یہ اسکی رکاب کا ٹکڑا ٹوٹ کر گر پڑا۔

یا کہ نعلے بست امشب مرزبان باختر   در سم خنگ شموس آسمان، از زر تاب

(۱۳) مرزبان بفتح میم، زمیندار، مالک، بادشاہ۔ باختر مشرق یا مغرب، شموس بفتح شین۔ سرکش، بدخو، منہ زور۔ یا یہ سونے کا نعل ہے، جو شاہ مشرق نے آسمان نامی سرکش گھوڑے کے پیر میں لگایا ہے۔

یا بود یک تیغ سیمین در کف زنگی شام   سرخ چہرہ گشت از خونخواری رنج و عذاب

(۱۴) یا یہ چاندی کی تلوار ہے۔ جو زنگی کے ہاتھ میں علم ہے شام کے وقت شفق پھولتی ہے۔ اور دنیا خون کا دریا نظر آتی ہے۔ اس کو آصفی نے اس زنگی شام کے چہرہ کی سرخی قرار دیا ہے۔ جو مصائب و تکالیف کی خون خواری پر غصہ میں لال ہے۔ سچ ہے دن بھر درد دکھ جھیل کر، شام کے وقت انسان ذرا دم لیتا ہے۔ تو مصیبت پر غور کر کے غصہ میں پیچ تاب کھاتا ہے۔

یا کہ باشد "خنجر الماس گون روزگار"   کز دل گردون کشاید خون چندین انقلاب

(۱۵) "یا یہ ہیرے جیسا روشن خنجر ہے۔ جو آسمان کے دل سے، انقلابوں کا خون نکالتا ہے"۔ "الماس گون" صفت خنجر کے کام میں خوفناک اضافہ کرتی ہے اس لئے کہ ہیرہ کی کتی زہر قاتل ہے۔ پھر انقلاب کا باعث، چاند کو قرار دیا ہے یہ بھی کس قدر لطیف تعلیل ہے۔ قمری سال و ماہ کا حساب اور تغیر و تبدل چاند سے ہوتا ہے چونکہ شب و روز کی آمد و رفت کا نام انقلاب ہے۔ اور دنیا کے تمام حوادثات اسی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے چاند کو خنجر کہنا بجا تشبیہ ہے

یا کہ باشد "رشتۂ شمع شب عشرت نوید"   کز فروغش، نور دریا بد دل ہر شیخ و شاب

(۱۶) یا یہ اس شمع کا ڈورا ہے۔ جو خوشی کا پیام لاتی ہے، تو جوان ہو یا بوڑھا۔ خوشی میں پھولا نہیں سماتا۔

یا کہ زرین جام جمشید، از خم چرخ کبود   ساقئے دوران برون می آرد از ذوق شراب

(۱۷) یا یہ جمشید کا زرین پیالہ ہے۔ جسے ساقئ دوران نے اس نیلے شراب کے مٹکے سے بھر کر پینے کے لئے نکالا ہے

یا بود شاخ غزالی مرتع خضرائے چرخ   شعلہ ور، از آتش رنگ شفق شد چون شہاب

(۱۸) یا آسمان کے سبزہ زار میں کوئی ہرن چر رہا ہے یہ اس کا سینگ ہے۔ جس میں شفق سے آگ لگ گئی ہے۔ اور شہاب کی طرح بھڑک اٹھا ہے۔ ہرن کے سینگ کو فارسی میں شاخ کہتے ہیں۔ شاخ درخت کی بھی ہوتی ہے۔ لکڑی میں یہ مادہ ذاتی ہے۔ کہ آگ میں ڈالدی جائے تو جل اٹھے۔ آسمان پر شفق پھولی ہے۔ تو آگ سی لگی معلوم ہوتی ہے۔ تخیل کی نزاکت نے رنگ شفق سے شاخ غزال کو شعلہ ور بنا دیا سبحان اللہ!

یا بود چوگان سیمین شہ بہرام چرخ   گوئی زرین را زدہ از عرصۂ گردون آب

(۱۹) جس وقت چاند نکلتا ہے، سورج چھپ جاتا ہے۔ سورج کی شکل گیند کی سی۔ اور چاند بلے کی طرح خمدار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

یا یہ بہرام شاہ چرخ کا چاندی کا بلا ہے۔ جس سے اس نے سونے کے گنبد (سورج) کو آسمان کے میدان سے باہر مین پھینکدیا ہے۔

یا کلید قفل باب آرزوے صائم ست　　　ابروش دارد اشارت بر فلک از فتح باب

(۲۰) یا یہ روزہ دار کی آرزو کے دروازہ کے قفل کی کنجی ہے جو آسمان سے اشارون مین کہتی ہے۔ کہ ہان اب دروازہ کھولدے۔"!

قصیدہ عید کی تہنیت مین لکھا گیا تھا جس پر ہزارہا قصائد اور قطع لکھے گئے ہین۔ فارسی تو فارسی، اردو مین بھی ہر شاعر نے خامہ فرسائی کی ہے۔ سال مین ایک مرتبہ عید الفطر ضرور آتی ہے۔ مداح کے لئے اس سے موزون تر موقع کہان سے میسر آسکتا ہے۔ غالب نے بھی بہادر شہ کی تعریف مین تہنیت عید پر ایک مختصر سا قصیدہ لکھا ہے۔ قصیدہ اردو مین بے نظیر ہے۔ نیا اسلوب اختیار کیا ہے۔ لیکن یہ تشبیہات کی رنگارنگی کہان۔ آصفی نے تشبیہون مین، اعجاز دکھایا ہے۔ غرابت کا نام نہین، ندرت کے ساتھ ساتھ قریب الفہم بھی ہین۔ پھر ایک کو پڑھکر یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ بس اب اور تشبیہ ممکن نہین۔ لیکن جونہی دوسرے پر نظر جاتی ہے۔ انگلیان دانتون مین دبانا پڑتی ہین۔ جس نے پہلی تاریخ کا چاند دیکھا ہے۔ اسے چاند کو (۱) غبغب سیمین۔ (۲) نیمہ دستینہ (۳) طوق زرین (۴) ماہی زرین (۵) انگشتری سلیمان (۶) نیمہ عکس مرات سکندر (۷) پر عنقائی مغرب (۸) شہپر یاقوت رنگ۔ (۹) کمان زال زر (۱۰) نیمہ رکاب (۱۱) نعل زرین (۱۲) خنجر الماس گون (۱۳) تیغ سیمین (۱۴) رشتۂ شمع شب عشرت نوید (۱۵) زرین جام (۱۶) چوگان سیمین (۱۷) شاخ غزال (۱۸) بال ورقائی شام (۱۹) اور کلید قفل باب صائم وغیرہ سے تعبیر کرنے مین کبھی غرابت نظر نہ آئیگی۔ یہ ہے انشا کا وہ مرتبہ جس پر صرف وہ دماغ فائز ہوتا ہے۔ جو آسمانی ملکہ لیکر آیا ہو۔ تخیل کی باریکی پر اہل فارس کا اجارہ نہین۔ اہل ذوق دیکھین۔ کیا ان مقامات تک عرفی و نظیری کی رسائی ہے۔

اس کے بعد معشوق کی ستائش ہے۔ فرماتے ہین۔

آمد آن کبک خرامان صورت طاؤس مست　　　ہم بطے در کف دہم در بغل چنگ و رباب
در ہلال نوش خندش داشت پروین برق طور　　　شعلہ میزد لمعۂ نورش بلولوئ خوشاب
ہم عقیقش خفتہ از سبزہ، میان عنبرے　　　ہم گلش بنہفتہ از سنبل بزیر مشکناب
مشک گل پوشش سیہ ہچون پر و بال غراب　　　مطلع آفتاب لالہ رنگش تازہ، ہچون گل در آب
بود رنگین نیچہ اش چون بنچۂ مرجان وے　　　رنگ این از خون دلہا، رنگ آن از آفتاب
زیر پایش سر شکستہ زنگئ دامن کشان　　　کز نہیبش شاہ خاور داشت تیغ اندر قراب
سرمہ را کردہ سپیدہ شام گاہان از سحر　　　مشک را کافور نمود از فروغ ماہتاب

خیرہ شد چشم زماہش، چہرہ شد حسرت شل چون ہلالم رنگ بشکست از فروغ آفتاب

ذیل مین عشقیہ تشابیب سے دو دو چار چار اشعار لکھے جاتے ہین جو مولانا کے پایۂ سخن کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے کافی ہین لیکن سمجھ لو کہ گو نزاکت تخیل صفت ہے۔ لیکن شیرینی اسی وقت تک ذائقہ کو بھاتی ہے۔ جب تک تلخی نہ پیدا ہو۔ جہان تلخی یا ہیک پیدا ہوئی۔ خوبی غائب ہوگئی۔ یہی حال تخیل کا ہے جہان "کوہ کندن وکاہ برآوردن" مثل صادق آئی۔ عافیہ متنفر ہوگئی۔ متاخرین کے ہان یہ عیب موجود ہے لیکن مرحوم کے ہان یہ خاص بات ہے۔ کہ گو متاخرین اسکول کے ہین تاہم تخیل بامزہ ہوتا ہے۔ جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہین۔ اسے ایسے موزون الفاظ مین ادا کرتے ہین۔ کہ آنکھون کے سامنے ایک تصویر کھنچ جاتی ہے۔ فرماتے ہین

بہ سخن، گرلبِ نوشینِ تو، شکر شکند ذوق، در دستِ ہوس ساغرِ کوثر شکند

کہنا یہ تھا۔ کہ تیری باتین شہد سے زائد شیرین ہوتی ہین۔ اس کو ادا اس طرح کیا۔ کہ "اگر تیرے شیرین ہونٹ باتون سے شکر برسائین تو ذوق اسقدر مست و سرشار ہوجائے۔ کہ ہوس و ہوا کے ہاتھ سے آب کوثر کا پیالہ لیکر زمین پردے مارے" اس کے پہلے "مرجان آمدہ ست" قصیدہ کا مطلع گذر چکا ہے اس مین بھی یہی مضمون بیان کیا ہے۔ لیکن دونون کی روش ادا جدا ہے۔ "شکر شکستن" محاورہ سے زبان کی چاشنی بھی پیدا ہوگئی ہے

لبِ میگونِ تو، رنگِ رخِ یاقوت برد زلفِ مشکینِ تو، صد طبلۂ عنبر شکند

تیرے شراب جیسے ہونٹ دیکھکر یاقوت کا منہ فق ہوجاتا ہے۔ اور تیری مشکین زلف کے سامنے عنبر کے سیکڑون ڈبے بھی ناکارہ ثابت ہوتے ہین۔

لالہ را رنگِ رخِ تو بنشاند درخون قامتِ تو ہوسِ سرو و صنوبر شکند

تیرے چہرہ کا سرخ و سپید رنگ دیکھکر گلِ لالہ حسد سے مرا جاتا ہے۔ اور تیرے خوبصورت قد نے سرو اور صنوبر کی ہوس موزون قامتی خاک مین ملادی"

شوخیٔ نرگسِ مستِ تو، دم نظارہ درچمن، ساغرِ مخموریٔ عنبر شکند

"تو چمن مین اپنی مستِ شراب نگاہین شوخی سے ادہر ادہر ڈالتا ہے۔ تو نرگس کا سارا نشہ ہرن ہوجاتا ہے اسکی خمار آلود آنکھیں اپنا سارا حسن کھو بیٹھتی ہین۔ اور وہ قائل ہوکر رہجاتی ہے"

سادہ سی بات تھی۔ معشوق کی آنکھین شعرا کی اصطلاح مین نرگس کہلاتی ہین۔ دنیا بھی کہتی چلی آئی ہے۔ بعض شعرائے نرگس سے فوقیت بھی دی ہے۔ لیکن آصفی نے جدتِ ادا سے نئی راہ پیدا کی ہے۔ فرماتے ہین۔

"نظارہ کے وقت، چمن مین، تیری مست نرگسین آنکھ کی شوخی نرگس کا ساغرِ خمار چور چور کردے گی"

ناوکِ اندازِ نگاہِ تو، قدر اندازے ست کہ ہدف میکند، از نالہ بدل پر شکند

"ظالم مارے اور رونے نہ دے" سادی نثر ہے۔ جسکی شاعرانہ صورت یہ ہے" تیری تیر انداز نگاہ، ایسی نشانہ باز ہے۔ کہ ادھر دل مین نالہ نے پر تولے، اور ادھر پھڑ پھڑا کر زمین پر آ رہا"

سروِ قدِ تو، کہ انداز قیامت دارد آہ حسرت، بدلِ فتنۂ محشر شکند

تیرے سرو جیسے قد مین، قیامت کے انداز ہین۔ حشر کا فتنہ افسوس کرتا ہے۔ کہ تیرے قد کے سامنے ہیچ ہے

چہ بلا غمزۂ و ناز، اے بت کافرداری! وضعِ سنگین دلی تو، دلِ آذر شکند

مژۂ شوخِ تو، در محفلِ خونین جگران بہ نگاہ ہوسِ دل، سر نشتر شکند

کہنا یہ تھا۔ کہ تیرے سامنے بات نہین ہو سکتی۔ کہون، تو کیا کہون اس کو شاعرانہ انشا مین فرماتے ہین۔ "تیرے شوخ اور شریر پلک، عشاق کے محفل مین، ہوس کی آنکھ مین نشتر بھونک دیتے ہین۔" یا مفہوم یہ ہے۔ کہ "تیرے سامنے بوالہوس کی دال نہین گلتی جہان تو نے دیکھا۔ اور ہوس کی آنکھ مین یہ معلوم ہوا۔ کہ پلک تیر بنکر گھس گئے۔ اور اندھا کر دیا۔

حیرتِ آئینۂ، گر شوخیٔ چشمت نگرد سنگِ آشوبِ جنون، شیشۂ جوہر شکند

"تیری آنکھ اسقدر شوخ ہے۔ کہ آئینہ، با این ہمہ حیرت و خاموشی، اگر وہ شوخی دیکھ پائے۔ تو پاگل ہو جائے۔ یا مولانا کے الفاظ مین "اسپر دیوانگی کے اسقدر پتھر پڑین، کہ سارا شیشۂ جوہر چکنا چور ہو جائے"

حسنِ تو، آئینۂ را داد فروغ چندان کہ عرض بعد ازین رونقِ جوہر شکند

تیرا حسن آئینہ کی شفافی کو دوبالا کر دیتا ہے۔ تو نے منہ دیکھا۔ اور آئینہ کچھ سے کچھ ہوا۔ جوہر آئینہ کی آب و تاب کو کہتے ہین فلسفہ کی اصطلاح مین، جو چیز آپ سے (بذاتہ) موجود ہو۔ دوسرے کی محتاج نہو۔ جوہر کہلاتی ہے۔ اس کا مقابل عرض ہے۔ جو اپنے ہوتے مین دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ حسن، رنگ، چمک، دمک، سب اعراض ہین۔ جو کسی دوسرے مین پائے جاتے ہین۔ آجتک حسن، رنگ، یا چمک دمک، علیحدہ نہین دیکھے گئے۔ مولانا نے معشوق کے حسن سے آئینہ کو روشن تر کیا۔ فروغ یا روشنی عرض ہے۔ عرض جوہر کو فنا نہین کر سکتا۔ لیکن یہان آئینہ کے جوہر کو اس عرض نے مٹا دیا۔ گو یہ اصطلاحی جوہر نہ تھا۔ لیکن شاعر ایہاماً کہتا ہے۔ کہ اب عرض اصطلاحی جوہر پر بھی غالب آ جائے گا۔ کیونکہ اس نے معشوق سے فروغ پایا ہے

ترسم زخم و سلسلۂ نازِ رسائش پیچاکِ کمندش، کشد آہوئے حرم را

ہم مستی او، چاک زن دامنِ تقوی ہم زورِ شرابش، شکند ساغرِ جم را

دوش آمد زدرم شاعرِ حور را منظر برخِ خلد نظیر و قدِ طوبیٰ ہمسر

بود از زیرِ لبش چشمۂ آبحیوان خضر میداشت بسر چشمۂ حیوانش مقر

صورتِ عقد ثریا، کہ بود در شفقے　　بود در حقۂ یاقوتِ لبش سلکِ گہر

دانتون کی تمثیل و تشبیہ مین شعرا نے بہت زورِ طبع سے کام لیا ہے۔ لیکن مولانا نے کمال کر دیا۔ مرکب تشبیہ کی بہترین مثال ہے۔ فرماتے ہین۔ "اس کے یاقوتی ہونٹون کے اندر موتی جیسے دانت ایسے نظر آتے ہین۔ گویا شفق مین ثریا کا گچھا نمودار ہے" اس ایک شعر مین دانت اور ہونٹون کو سب کچھ کہدیا ہے۔ خاکی اشیا مین یاقوت اور موتی سے زائد سرخ اور آبدار کوئی شے نہین ہے۔ آسمانی مخلوق مین شفق اور ثریا سے موزون تر تشبیہ نہین ملسکتی۔ اب دانت اور ہونٹ کی تشبیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ زمین سے لیکر آسمان تک راہین بند ہو چکین ہین وذالک فضل اللہ۔

کاکلش بود بر خسار، برنگِ شبِ گل　　عارضش بود ز انوارِ صباحِ کشمر
بود از پرتو رخسارۂ او شب کافور　　بود کافور ہم از سایۂ شب چون عنبر
ذوق از لعلِ لبش، در شکرستان آمد　　لذتش برد ز دل، لذتِ قند و شکر
سنبلِ غالیہ گونش بدماغم افگند　　شورِ سودائے جنونے بہ ہوائے دیگر
شوق، آغوشِ دلِ من بکشادہ چندان　　کہ بر او تنگ شود عرصۂ اہل محشر
غمزہ و عشوہ و نازش ز دلم تاب بُرد　　گاہ جا کرد در آغوش و گہے جست ز بر
شوخ آہوئی حرم بود، کہ از حرمتِ شان　　نشدہ صیدِ کمند ہوسِ اہلِ نظر

ماہِ دو ہفتۂ من، کوفت در بستۂ من　　داد آواز زمستی، بنوائی دف و چنگ
نرگسِ او ز مۓ فتنۂ محشر مخمور　　نگہش از مۓ خود کامۓ ترکانہ ملنگ
غازۂ عشوہ زدہ بر رخ او پر کاری　　سرمۂ غمزہ کشیدہ بنگاہش نیرنگ
چشمش از نشۂ صہبائے جنون عربدہ ساز　　نگہش از مۓ مستی فسون بر سر جنگ
ساحرے نگہش، فتنہ گر از جادوے　　مژۂ او، قلمِ نسخ طرازِ ارژنگ
چہرہ اش بود، دیا بود مہ دو ہفتہ　　ابروش بود دیا بود ہلالِ شبہ رنگ

ابرو کو سارا جہان کمان کہتا ہے۔ آصفی اسے ہلال یا پہلی تاریخ کا چاند کہتے ہین۔ نئی اور مکمل تشبیہ ہے۔

شاہدے، عشوہ گرے، ناز فسون پردازے　　شوخے و فتنہ طرازے بادائے نیرنگ

(باقی)

خان امتیاز علی عرشی (رام پور)

مرزا غالب اور مصحفی

(تیسری قسط)

مرزا غالب اول اول مرزا بیدل کے رنگ مین کہتے تھے چنانچہ خود کہتے ہین۔

اسدؔ ہر جا سخن نے طرح باغ تازہ ڈالی ہے مجھے رنگ بہار ایجادیٔ بیدل پسند آیا

اسکے بعد جب شیخ ناسخ کے کلام کا غلغلہ بلند ہوا۔ تو مومن کے ساتھ یہ بھی اس طرف جھک پڑے چنانچہ اُن کی بعض غزلون سے یہ رنگ نمایان ہے لیکن ان دونون بزرگون سے یہ روش نہ نبھ سکی یا یون کہئے کہ ان کا فطری ذوق ناسخ کے رنگ سے زاید بلند تھا اس لئے دونون نے الگ الگ رنگ اختیار کیا۔ مومن نے معاملہ بندی شروع کی اور غالب نے میر کے طرز مین کہنا شروع کیا چند باتون مین اُن کا راستہ میر سے بالکل الگ ہے مثلاً اُن کے کلام مین استعارات و کنایات کی نہایت کثرت پائی جاتی ہے اضافتون کی بھرمار ہے فارسی الفاظ اس کثرت سے موجود ہین کہ بعض اشعار اُردو کے معلوم ہی نہین ہوتے۔ مضامین مین بھی بکثرت اغلاق و اشکال پایا جاتا ہے لیکن بایہمہ جسقدر سادہ اور صاف شعر اُن کے دیوان مین موجود ہین وہ تمام تر میر کے رنگ مین ہین۔ چنانچہ اُن کی نسبت سید امداد امام صاحب اثر کاشف الحقائق مین لکھتے ہین۔

"واقعی جو سوز و گداز، خستگی، درد، برشتگی، نشتریت، بلند پردازی، نازک خیالی، مکنت جلالت، تہذیب، شوخی غالب کے کلام مین ہے باستثنائے درد و میر کسی اُستاد کے کلام مین نہین پائی جاتی ہے نشتریت تو ایسی غضب کی ہے کہ میر صاحب کے کلام مین بھی اس سے زیادہ نہ ہوگی، پُر تاثیری کا کیا کہنا۔"

اصل واقعہ یہ ہے کہ بیدل اور ناسخ کے گورکھ دھندے سے نکلنے کے بعد انھون نے تیموری دور کے متاخرین شعرائے فارسی کی روش اختیار کرلی تھی جس مین اگرچہ طالب آملی کی استعارہ طرازی عرفی کی جدت آفرینی اور مضمون بندی سب کچھ موجود ہے۔ لیکن تصوف اور تغزل کی آمیزش نے اسکو نظیری سے زیادہ مشابہ کردیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب بہار بیخزان غالب کے تذکرے مین ان کی طرز خاص کو نظیری کی طرز خاص سے قریب تر بتاتے ہین۔

مولانا حالی مرزا غالب کے فارسی کلام کی بابت کہتے ہین۔

"ان کی غزلیات کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان کی غزل مین نہ صرف نظیری بلکہ عرفی ظہوری طالب آملی۔ جلال۔ اسیر اور اُن کے دیگر متبعین کا رنگ علی العموم پایا جاتا ہے البتہ اس لحاظ سے کہ تصوف کا عنصر مرزا کے کلام مین نظیری سے کچھ کم نہین ہے۔ ان کی غزل بلاشبہ نظیری کی غزل سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ لیکن طرز بیان کے لحاظ سے نظیری کی کچھ خصوصیت نہین" (یادگار غالب)

معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کلام کے ساتھ ساتھ مرزا کے اُردو کلام مین بھی یہ انقلاب ہوا اور جو روش انھون نے فارسی مین اختیار کی تھی۔ اسی طرز مین اُردو مین بھی کہنا شروع کیا ہے چنانچہ اُن کے اردو اور فارسی دیوانون مین متعدد اشعار بالکل ہم مضمون اور ہم معنی پائے جاتے ہین بلکہ بعض اشعار ایسے بھی ہین جن مین انھون نے نظیری و حزین وغیرہ کے اشعار کا بعینہ ترجمہ کیا ہے۔

بہر حال متاخرین شعرائے فارسی کے کلام کی تمام خصوصیات فارسی کی طرح اُن کے اردو کلام مین بھی نمایان طور پر پائی جاتی ہین

غالب سے حسن ظن رکھنے والے حضرات کا خیال ہے کہ اُنھون نے اسلوب بیان کی ندرت کو حد کمال پر پہنچا دیا۔ معمولی سے معمولی باتین بھی اس پہلو سے بیان کر دین کہ کان سنتے ہین۔ اور دل لطف اُٹھاتا ہے وہ شعرائے اردو مین اسقدر بلند درجے پر پہنچ گئے ہین کہ کسی کا طائر خیال بھی اُڑ کر نہین جا سکتا ممکن ہے کہ یہ سب باتین صحیح ہون اور مرزا غالب کو اسلوب بیان کی جدت و ندرت مین ایسا اجتہادی مرتبہ حاصل ہو۔ کہ اُسے کشف و الہام کہہ سکین لیکن ہمارے خیال مین وہ اس طرز کے موجد و مخترع نہین غور سے دیکھا جائے تو غالب نے جدت اسلوب مین جو کمالات دکھائے ہین مصحفی مرحوم کی تجدید پسند طبیعت بھی اس صفت سے خالی نہ تھی۔

مرزا غالب کے کلام کی نمایان اور مایہ الامتیاز صفت فارسی الفاظ و تراکیب کا استعمال ہے وہ بعض اوقات اس صفت مین اسقدر غلو کرتے ہین کہ اُردو شعر پر فارسی کا دھوکا ہونے لگتا ہے۔ نیز اُن کے یہان تیموری عہد کے شعرائے فارسی کی دلاویز ترکیبین بھی کثرت سے پائی جاتی ہین۔ یک بیابان ماندگی، یک قدم وحشت، اعضا گدازیان، دل سوداز دہ، شورش کدۂ راز، تمکین آزما طاقت رُبا، ردکش پردہ، شعلہ خیز، تمکین نظر اور اسی قبیل کی بہت سی ترکیبین ہین جن سے مرزا غالب اور اُن کے مخصوص شاگرد دونکا کلام آراستہ و پیراستہ ہے۔

شیخ مصحفی کو بھی شعرائے فارسی سے عموماً اور نظیری نیشاپوری سے خصوصاً تعلق باطن تھا اسلئے بسا اوقات فارسی زبان کی سبک اور لطیف ترکیبین نہایت حسن و خوش اسلوبی کے ساتھ استعمال کر گئے ہین۔ اور ہمارے خیال مین ایک ایسے شاعر کے یہان جسکا مقولہ یہ ہو۔

یون تو کہنے کو سبھی شعر و سخن کہتے ہین　　مصحفی ریختہ آئی کی زبان اور ہی ہے

یا

جب سے معنی بند کا چرچا ہوا اے مصحفی　　خلط مین جاتا رہا حسنِ بیان ریختہ

فارسی زبان کی کم سے کم ترکیبین بھی دستیاب ہو جائین تو چندان قابل اعتراض نہین۔ بلکہ سزاوار مدح ستائش ہے۔

ملاحظہ ہو:- ہستی سے اپنی مجھکو نہین مطلق آگہی　　عمر گذشتہ ہون کہ مین ہوش رمیدہ ہون

پیدا ہے میری وضع سے اک شورشِ جنون　　دریا نہین مین سیل گریبان دریدہ ہون

مرغانِ باغ مین مرے نالے کا شور ہے　　ہر چند مین ابھی نفس ناکشیدہ ہون

جاتا ہے جلد قافلۂ عمر کس قدر
مہلت نہین مجھے کہ ذرا آرمیدہ ہون

جون شمع داغِ غم نے جلایا بدن تمام
نکلی نہ دل سے پر ہوسِ سوختن تمام

کس دن سرِ شوریدہ نہین چاک قفس مین
بیتاب ہون نظارۂ گلشن کی ہوس مین

گر ناخن فریاد کرے عقدہ کشائی
سوز مزے پنہان ہین مرے تار نفس مین

اے جنون قیس کا اس دشت مین ہمدوش ہین
خانہ بر دوش ہے وہ خانہ فراموش ہون مین

نشۂ میرا وہ نہین ہے کہ سر دار اسکا مٹے
مصحفی میکدۂ عشق کا مدہوش ہون مین

جس جگہ چشم تری حوصلہ پرداز ہوئی
خوبیٔ دیدۂ نرگس قلم انداز ہوئی

شب تری مجلس مین وان دورِ قدح جلتا رہا
تا سحر یان آنسوؤن سے سبحہ گردانی ہوئی

گوشۂ خلوت مین بیٹھا اُن سے آخر چھپ کے مین
خوش نہ آیا اختلاطِ مردم دینا مجھے

اے فلک اُٹھتی عمارت کا گرانا لطف کیا
دے نہ تو داغِ شکستِ لالۂ حمرا مجھے

دل لگائے ہوئے تاک ہر کسی پر ہے
ہوش باش کہ عالم روا روی پر ہے

وہ نہ تھے ہم کہ کبھی شکوۂ خوبان کرتے
گریہ رگ رگ مین فروِ نشترِ مژگان کرتے

نہین اتنی بھی فرصت ہمکو ملتی وائے محرومی
کہ کھولین اُسکے رُخ پر خواب مین چشم تماشا کو

پھر اشک سرخ آنے لگے اب تو مصحفی
پھر چشم وا ہوئی رہِ خونِ جگر کھلی

نشتر فرو کردن - چشم تماشہ کشادن - چشم وا شدن - اور رہِ خون جگر کشادن کا استعمال کسقدر دلکش طریقہ پر ہوا ہے

ہم نامہ دیکھتے ہین قاصد کو اپنے تو کہہ
جانِ بلب رسیدہ ترا پیام کیا ہے

اک فریبندہ ہے تیری روشِ طرزِ خرام
اس کے عہدہ سے کوئی کبک دری نکلے ہے

اے فرطِ شوق تو مجھے رسوا نہ کیجیو
لایا ہون اپنے گھر اُسے قول و قسم کے ساتھ

وقتے کہ دسترس ہی نہو زلفِ یار پر
پھر کس طرح نگاہ بہ حسرت نہ کیجئے

تھی گرفتاری مین اک لذتِ آسودگی
کیا کہین ہم کتنا پچھتائے نکل کر دام سے

وان باریاب جلوہ اُسی کی نگاہ ہے
آنکھون سے اپنی جو کوئی پردہ اُٹھا سکے

ہے تماشا کدۂ خلق مری خاکِ مزا
جی مین آئے تو ذرا تو بھی یہان ہو جا نا

ہے غرورِ جنون باعث آمرزش مجنون
کیا ساتھ گریبان کے پھٹا نامۂ اعمال

بے تلخیٔ خمار کہان ہے شرابِ وصل
چاہت کے ساتھ کشمکشِ امتحان بھی ہے

اے دل قدم آہستہ رکھ اس فرشِ زمین پر
محنت زدہ چندنے آرام کیا ہے

وہ جی مین یہ نازان کہ مرا رُعب تو دیکھو
مین خوش کہ خیال نگہ دور کسے ہے

موسیٰ سے ہزارون ہین یہان مصحفی لیکن
سودائے تجلی کدہ طور کسے ہے

یہ چمن افسوس کی جاگہ نہین تو کس لئے
برگہائے لالۂ گل دست برہم سودہ ہین

کباب لخت دل میرے نمک سود محبت ہین
تمھارے واسطے لایا ہون یہ تحفہ ذرا چکھو

گلیون مین یکسر دہوم ہے میرے جنون کی ہر طرف
اس عشق شہر آشوب کو اب کیجئے پنہان کہان

کہتے ہین داغ عشق کسے ہم کو کیا خبر
یک قطرہ خونِ گرم تو ہے ہمکنارِ دل

اُٹھا کے آنکھ نہ دیکھا کبھی اُس نے
مین ساری عمر تمنائے یک نظر مین رہا

خط زدہ ترکیبون پر نگاہ ڈالئے تو مرزا غالب کی شاعری کا انداز آنکھون مین پھرنے لگتا ہے۔

ایرانی شعرا کے آخری دور مین تشبیہات کی نزاکت اور استعارات کی لطافت حدِ کمال کو پہونچ گئی تھی۔ چنانچہ عُرفی نظیری۔ اور طالب آملی کے کلام مین ان کا چمن زار نظر آتا ہے۔ غالب اور مصحفی دونون شعرائے مذکور الصدر کے مقلد تھے۔ اس لئے ان کے کلام مین بھی اسی قسم کی لطیف تشبیہین برابر درجے پر پائی جاتی ہین

نیرنگِ حسن سے جو ترے متصل ہوا
آئینہ ہزار خا میرا دل ہوا

مصحفی عالی وقارون پر نہین آتی شکست
سنگسار فتنہ کس دن گنبد مینا ہوا

میرے سینے مین داغ غم نہ سمجھ
ہے یہی عشق کے چمن کا گل

پیدا ہے میری وضع سے اک شورش جنون
دریا نہین مین سیل گریبان دریدہ ہون

باقی دہی ہے یاد یہ گردون مین آبرو
غلطان برنگ دانہ گوہر بھرا ہون مین

مین وہ بے کس ہون کہ مانندِ چراغ سرِ راہ
مر بھی جاؤن تو کوئی آکے نہ روئے مجھکو

آسمان اک خانۂ پُر دود ہے
اس مین تو میرا گھٹا جاتا ہے جی

وہ نخل ہون مین سوختۂ صرصرِ حرمان
جس مین نہ لگے پھول نہ کوئی ثمر آئے

آیا تھا مین سجدے کو ترے ملکِ عدم سے
سر سائے کی مانند اُٹھایا نہ قدم سے

مثل نگہ شوق وہین لائے گا پھر شوق
مجلس سے تری اُٹھ کے کدہر جائیگا کوئی

بزم تصویر ہے طلسم جہان
کب کوئی یان کسی کی سُنتا ہے

ہم کیا کرین چمن مین گر پھر ہوا چلی ہے
اپنا دل فسردہ تصویر کی کلی ہے

سُراغ قافلۂ اشک کیجئے کیونکر
نکل گیا ہے یہ کوسون دیارِ حرمان سے

دلفریبیٔ چمنِ حسن کی کچھ مجھسے نہ پوچھ —— گل جو اعجازِ مجسم ہین تو جادو کانٹے
اشکِ رنگین کے سوا اور نہ کچھ ہاتھ آیا —— پھول ہم چن کے یہ لائے چمن خرمان سے
بعد مرنے کے ہوئی تن کی حقیقت معلوم —— عبث اس خانہ ویران کی مین تعمیر مین تھا

علامہ نظم طباطبائی کے خیال کے مطابق متحرک تشبیہات پیدا کرنے مین مرزا غالب کو ید طولیٰ حاصل تھا مثلاً:۔ "ہین ورق گردانیٔ نیرنگ یک بتخانہ ہم" یا "نبض بیمار وفا دود چراغ کشتہ ہے" یا "مستی سے ہر نگہ ترے رُخ پر بکھر گئی"۔ یہ چند مثالین اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہین کہ مرزا غالب کے دیوان مین متحرک تشبیہات کا سرمایہ کافی ہوگا لیکن جب ہم دیکھتے ہین تو شیخ مصحفی مرحوم کا کلام بھی اس سے خالی نہین اور انکی تشبیہات مین بھی ترکیب و حرکت دونون صفتین اکثر پائی جاتی ہین ۔

مجھے اشکون مین یون لخت جگر بہتے نظر آئے —— کہ جیسے وقت شب دریا مین عالم ہو چراغان کا
لخت جگر کا اشکِ روان مین یہ حال ہے —— دریا مین جیسے جاتا ہے لاشہ بہا ہوا
مے پی کے اس چمن سے کون اُٹھ گیا ہے جو ہے —— انگڑائیون کا عالم پھولون کی ڈالیون پر
گرم سفر رہے ہم منزل کو پر نہ پہونچے —— آوارگی نے ہمکو ریگِ روان بنایا
بھلا مین ہاتھ دھو بیٹھون نہ کیونکر جان سے اپنی —— کہ چلنے مین تمھارے موج دریا کی روانی ہے
جرسِ ناقۂ لیلیٰ کی طرح دشت بدشت —— ساتھ پھرتا ہے لئے یہ دلِ نالان ہم کو
دلِ بیتاب مِرا کوئی گھڑی ہے شاید —— خود بخود چوٹ لگی خود بخود آواز ہوئی
پلکین نہ کبھی سدِ رہ اشک روان ہون —— دریا کو نہ کوئی خس و خاشاک سے باندھے
شب تری مجلس مین وان دورِ قدح چلتا رہا —— تا سحر یان آنسوؤن سے سبحہ گردانی ہوئی
پیدا ہے میری وضع سے اک شورشِ جنون —— دریا نہین مین سیلِ گریبان دریدہ ہون
سُراغِ قافلۂ اشک کیجئے کیونکر —— نکل گیا ہے یہ کوسون دیارِ حرمان سے
باقی رہی ہے بادیہ گردی مین آبرو —— غلطان برنگِ دانۂ گوہر پھرا ہون مین
نوکِ مژگان پر کرے ہے یون دلِ صد پارہ رقص —— پھول گیندے کا کرے جون بر سرِ فوارہ رقص

غالب کے کلام کی خصوصیت جسے مولانا شبلی نے شعر العجم مین اچھی طرح واضح کیا ہے یہ ہے کہ کسی وسیع خیال کو جو ایک زائد سے اشعار کا محتاج ہو۔ ایک ہی شعر مین ادا کر دیتے ہین۔ اس قسم کے اشعار مرزا کے کلام مین ایک دو نہین بلکہ متعدد نکلین گے۔ لیکن جب ذرا گہری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ تو شیخ مصحفی مرحوم کا کلام بھی اس ندرت سے خالی نہین۔ مثلاً:۔

یہ مصحفی سے نہ پوچھو کہ ہر سے سجدہ درست گلی کو دوست کی سمجھا ہے اپنا کعبہ وہ

حالت یہ ہے کہ:-

ایک مسلمان عشق و محبت کی زنجیرون مین گرفتار اپنے معشوق کی گلی مین پہونچتا ہے اور بے اختیاری کے ساتھ سجدے ادا کرنے مین مصروف ہو جاتا ہے۔ اُسکے غمگسار دوست یا اُس کوچہ کے دوسرے لوگ خیال کرتے ہین کہ شاید یہ نماز ادا کر رہا ہے لیکن ابھی اس بات سے باخبر نہین کہ سجدہ کس طرف کو کیا جاتا ہے یا سمت مغرب کی شناخت مین غلطی ہو گئی ہے)۔ یہ لوگ اپنے اس خیال کی تصدیق کے لئے دریافت کرتے ہین کہ اے دیوانے تجھے معلوم ہے کہ سجدہ کرنا کس جانب کو درست ہے اور کس جانب کو نادرست عاشق جواب دیتا ہے کہ مجھے اس الجھن مین پڑنے کی کیا ضرورت۔ دنیا کا عقیدہ کچھ سہی مجھے اپنے عقیدے سے کام ہے۔ مین اس گلی کو اپنا کعبہ خیال کرتا ہون۔ اور چونکہ کعبہ مین ہر جانب کو سجدہ کرنا روا ہے۔ اسلئے میرے مذہب کی رو سے یہان ہر جانب کو سجدہ کرنا بالکل درست اور حق بجانب ہے "سمجھا ہے" سے یہ مُراد ہے کہ درحقیقت نہین ہے "اپنا کعبہ" کہنے سے یہ غرض ہے کہ دنیا کے عقیدے سے بحث نہین "نہ پوچھو" کا مدعا یہ ہے کہ جذبۂ عشق مذہب وملّت کی پابندی سے آزاد ہے اس لئے جواب باصواب نہ مل سکے گا۔

سلام تو اُسے کہدے بجٔو پاسبان میرا خفا نہ ہو ترے کہنے سے مین تو جاتا ہون

عاشق جذبۂ محبت سے مجبور ہوکر معشوق کی خدمت مین سلام عرض کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اُسکے دروازہ پر پہونچ جاتا ہے۔ معشوق نے پاسبان کو حکم دے رکھا ہے کہ فلان شخص کو دروازے کے پاس نہ آنے دیا جائے۔ اسلئے جب وہ اُسنے آتا ہوا دیکھتا ہے تو بگڑتا ہے اور کہتا ہے کہ یہان سے فوراً چلے جاؤ تمھارے کھڑے ہونیکی اجازت نہین ہے۔ عاشق اس خوف سے کہ کہین اُسکی آواز صاحب خانہ کے نازک کانون تک پہونچکر مزید خفگی کا سبب نہ ہو بلجاجت و خوشامد کے ساتھ کہتا ہے کہ اے پاسبان بگڑنے کی کیا ضرورت ہے مین تیرے کہنے سے جانیکے واسطے تیار ہون۔ مین یہان کچھ لینے کے واسطے نہین آیا تھا بلکہ سلام کرنے حاضر ہوا تھا۔ سو یہ کام تو بھی کر سکتا ہے جسوقت موقع ہو اور تو اُن کے سامنے پہونچے تو میرا سلام کہدینا۔

اگر پڑھے تو دعا بھی ہے مدّعا بھی ہے دعا لکھی ہے اُسے خط مین مینے کوئی بغور

حالت یہ ہے کہ۔ عاشق اپنے معشوق کے نام برابر خط لکھتا رہتا ہے۔ معشوق اُن خطون کی طرف کبھی نگاہ نہین کرتا کیونکہ جانتا ہے کہ ان مین مدّعا و مطالب کے سوا کچھ درج نہ ہوگا۔ عاشق جب دیکھتا ہے کہ اُسکے خطوط مطالعہ مین نہین آتے تو ایک مرتبہ مدعا کو اُڑا جاتا ہے اور صرف دعا لکھدیتا ہے تاکہ پڑھنے والا پڑھ سکے۔ احباب پوچھتے ہین کہ اب کی مرتبہ تمنے خط مین کیا تحریر کیا ہے تو جواب دیتا ہے کہ مین نے حسب معمول مدعا نہین لکھا بلکہ صرف دعا لکھدی ہے لیکن یہ دعا لکھی اس طریقے پر ہے کہ اگر کوئی غور کے ساتھ پڑھے تو مدعا بھی ظاہر ہو جائے۔

شعر کا ایک ایک لفظ کتنے وسیع معنی دے رہا ہے "اگر پڑھے" کس قدر معنی خیز ٹکڑا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ وہ خطا بے پروائی کے ساتھ پڑھتا ہی نہین "بغور" کا لفظ قابل غور ہے جس نے دعا کو اور پُراسرار بنادیا ہے "اُسے" کہکر "کوئی" کئے مین جو تعمیم بعد التخصیص ہے اسکا لطف بیان سے باہر ہے۔ صرف ایک شعر اور سن لیجئے ؎

وہ دل مین یہ نازان کہ میرا رُعب تو دیکھو		مین خوش کہ خیال نگہ دور کسے ہے

حالت یہ ہے کہ ایک عاشق تقدیر سے محفل معشوق مین پہونچ گیا ہے۔ اور ایسی جگہ بیٹھ گیا ہے کہ اگرچہ دور ہے لیکن صاحب محفل کو اچھی طرح سے دیکھ سکتا ہے۔ معشوق غافل نہین ہے اور اُس نے اس "دیوانہ بکار خویش ہوشیار" کو پہلی نظر مین بھانپ لیا ہے۔ لیکن غصہ کرنے کی بجائے اس بات پر ناز کر رہا ہے کہ ہمارے رعب اور دبدبے نے اُسے قریب آنیکی اجازت نہین دی اور اس بنا پر کوئی خاص توجہ نہین کرتا۔ لیکن عاشق اس عدم توجہی سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ مین خود اتنی دور بیٹھ گیا ہون کہ کوئی میری طرف نگاہ نہین کرسکتا۔ اور خوش ہوتا ہے کہ آج جی بھر کے دیدار یار سے مستفید ہوگا۔ اب اس حالت کو پیش نظر رکھ کر شعر پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ایک ایک لفظ کس حسن ترتیب کے ساتھ ایک وسیع مضمون کو ادا کر رہا ہے۔

غالب کے کلام کی دوسری ندرت یہ ہے کہ وہ بعض جملے محذوف کرجاتے ہین لیکن دیگر واقعات اس انداز سے بیان کرتے ہین۔ کہ متروک جملے خود بخود سمجھ مین آجاتے ہین۔ اس قسم کے بکثرت اشعار اُن کے یہان موجود ہین مصحفی مرحوم نے بھی اکثر مواقع پر اس انداز سے کام لیا ہے۔ اور اشعار کے بعض اجزا کو ایسے طریقہ سے محذوف کردیا ہے کہ سننے والے کا ذہن خود بخود اس حصہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

افسوس آشیان پہ مرے برق گر پڑی		جب فصل گل مین مین نے کئے بال و پر درست

مطلب یہ ہے کہ جب آشیانہ موجود تھا تو مین اُڑنے کے لئے بال و پر نہ رکھتا تھا۔ اور جب بہار کا موسم آیا اور مین نے اڑنے کے لئے بال و پر درست کئے تو میرے آشیانے کو بجلی نے خاک سیاہ کرڈالا۔ یعنی مین ہمیشہ ایک نہ ایک مصیبت مین گرفتار رہا۔

مومن خان مرحوم اس مضمون کو یون ادا کرتے ہین

ڈرتا ہون آسمان سے بجلی نہ گر پڑے		صیاد کی نگاہ سوئے آسمان نہین

مطلب یہ ہے کہ صیاد چونکہ میرے آشیانے کو نہین دیکھ رہا مجھے خوف ہے کہ آسمان سے بجلی نہ گر پڑے کیونکہ اہل زمانہ کا کسی نہ کسی بلا مین گرفتار رہنا لازمی ہے لیکن مومن خان نے شاعری کے اس نازک پہلو پر غور نہین کیا اور ذرا سی بے اعتدالی سے شعر اسقدر پیچیدہ ہوگیا۔ کہ جب تک یہ جملہ "اہل دنیا کا کسی نہ کسی بلا مین گرفتار رہنا ضرور ہے" اضافہ نہ کیا جائے عام ذہن معنی مقصود کی طرف نہین جاسکتا برخلاف اسکے شیخ مصحفی مرحوم کا بیان بالکل صاف و سادہ ہے اور اسکے محذوف و متروک حصے پر نگاہ فوراً پہنچ جاتی ہے

جو خیال مین کسی کے شب ہجر سو گیا ہو		نہ ہو صبح کو اکھی کبھی اُسکا خواب اُلٹا

شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی کے خیال مین سو گیا ہو اور اُس خیال کے اثر سے معشوق کو خواب مین اپنے پاس دیکھے تو

صبح کو اُسکا خواب اُلٹا نہ ہو یعنی درحقیقت وصال نصیب ہو جائے۔ یہ دو جملے "معشوق کو خواب مین اپنے پاس دیکھے" اور "درحقیقت وصال نصیب ہو جائے" شعر مین مذکور نہین ہین تاہم شعر کا وہی لطف قائم ہے۔

"جو" کی تخصیص اسلئے کی گئی ہے کہ فراق مین ہر ایک کو نیند نہین آسکتی "خیال مین سو جائیگی" تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ خواب کا تعلق خیال ہی سے ہے۔ لہذا جو چیز خیال پر مسلط ہو جائیگی وہی خواب مین بھی مشکل ہو کر نظر آئیگی۔

یار کا صبح پر ہے وعدۂ وصل ایک شب اور بھی جئے ہی بنے

کہنا یہ ہے کہ یار نے وصل کے وعدہ کو صبح پر ٹال دیا ہے۔ اور چونکہ اُمید وصل قیام زندگی کا موجب ہے اسلئے ہمین ایک رات مجبوراً اور زندہ رہنا پڑ گیا حسن و عشق کا پورا فوٹو ایک شعر مین کھینچ دیا ہے

ایسا بھی اتفاق زمانے مین کم ہوا قاصد کو موت آئی جو نامہ رقم ہوا

دنیا مین بہت کم لوگون کو ایسے اتفاقات کا سامنا ہوتا ہے جیسے ہمین پیش آرہے ہین یعنی آج تک اپنے معشوق کے پاس خط بھیجنے مین کامیاب نہ ہو سکے۔ جب قاصد دستیاب ہو سکتا تھا تو نامہ نہین رقم ہو سکتا تھا اور جب نامہ رقم ہوا تو قاصد کو موت نے اُٹھا لیا۔

"جو نامہ رقم ہوا" اسے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پہلے نامہ رقم نہ ہو سکتا تھا" اور "قاصد کو موت آئی" سے ثابت ہے کہ اس سے قبل قاصد موجود تھا

غالب کے کلام کی تیسری ندرت یہ ہے کہ ان کے بعض اشعار ذومعنیین ہوتے ہین اسلئے قدرتی طور پر ان کے مفہوم مین وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

شیخ مصحفی مرحوم کا کلام بھی بعض اوقات یہی رنگ رکھتا ہے کہ بادی النظر مین اس سے کچھ اور معنی مفہوم ہوتے ہین مگر غور کرنے کے بعد دوسرے نہایت لطیف معنی پیدا ہوتے ہین جسکی وجہ سے ان کا ہر ایسا شعر ہمیشہ ایک نہایت لطف دیتا ہے۔ اور بار بار پڑھنے سے طبیعت نہین اُکتاتی۔

وہ مجھے بد نصیب کہتے ہین یہ بھی خوبی مرے نصیبون کی

ظاہری معنی یہ ہین کہ میرے نصیب ایسے خراب ہین کہ معشوق مجھے بدنصیب کہتا ہے اور اس مین شک نہین کہ یہ معنی بالکل صحیح ہین کیونکہ عاشق کی بدنصیبی اور خوش نصیبی معشوق کے ہاتھ مین ہے اور جب وہ ہی بدنصیب کہہ دے تو خوش نصیب کہنے والا کون رہا۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو دو اور لطیف معنی بھی پیدا ہوتے ہین اول یہ کہ اگر معشوق مجھے بدنصیب کہہ کر پکارتا ہے تو مین اسے اپنے نصیبے کی خوبی خیال کرتا ہون کیونکہ اسی بدنصیبی نے اُسکی زبان سے یہ الفاظ سننے کا موقع دیا۔ ورنہ مین کہان اور گفتگوئے یار کہان۔ دوسرے یہ کہ وہ بدنصیب کہہ کر اس الزام کو جو نصیبے کے سر جانا چاہئے تھا میرے سر ڈال رہا ہے اس سے زیادہ نصیبے کی خوبی کیا ہو سکتی ہے

ان تینون صورتون کے لئے علیحدہ علیحدہ قرینہ موجود ہے پہلے دو معنی خوبی کے اصلی اور طنزیہ معنی کے ساتھ پیدا ہوتے ہین اور

تیسرے معنی کے لئے مجھے پر زور دینا پڑتا ہے۔

خالی ہی چلے آتے ہین ہم صحن چمن سے دامان مین کچھ ہے نہ گریبان مین کچھ ہے

چمن سے خالی واپس آنے کے تین پہلو ہین۔ یا اسوجہ سے کہ دونون مین پھول نہین یا اسوجہ سے کہ دونون مین ایک تار باقی نہ رہا یا اسوجہ کہ دامان مین پھول نہین اور گریبان مین تار نہین یعنی گریبان بھی چاک ہوگیا اور پھول بھی نصیب نہ ہوئے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی بہت زیادہ لطیف ہین۔

رکھ کے سوزن کو ذرا دیکھ تو لے اے جراح قابل بخیہ مرا زخم جگر ہے کہ نہین

اس شعر کے دو پہلو ہین۔

ایک اس حالت کے ساتھ کہ جراح آتے ہی زخم جگر کی بخیہ گیری مین مصروف ہوگیا۔ بیمار محبت نے اسکی نادانی پر نگاہ کی اور کہا کہ اے جراح "سوزن کو ہاتھ سے رکھ اور پہلے یہ دیکھ کہ میرا زخم جگر بخیہ کرنیکے قابل ہے کہ نہین کہین ایسا نہ ہو کہ تیری محنت بیکار جائے"۔

دوسرا اس حالت کے ساتھ کہ جراح زخم جگر کو قابل بخیہ گری نہین سمجھتا اور اس بنا پر ٹانکا لگانے سے پرہیز کرتا ہے۔ مریض کو تسلی نہین اسلئے کہتا ہے کہ اے جراح تو نے دیکھا نہ بھالا یون ہی فیصلہ کر دیا کہ یہ زخم جگر قابل بخیہ گری نہین ہے۔ سوئی کو رکھ کر دو چار ٹانکے لگا اور دیکھ کہ کام دیتے ہین یا نہین۔ "رکھ کے سوزن کو" یہ ٹکڑا قیامت کا ہے جس نے استفہام کے دونون پہلوؤن کو سنبھال لیا ہے۔

ہے شکر کی جگہ کہ دم امتحان اُسے جو غیر پر گمان ہے وہ مجھ پر گمان نہین

اس شعر کے بھی تین مختلف پہلو ہین

ایک یہ کہ غیر معرض امتحان مین ہے۔ اور عاشق خیال کرتا ہے کہ معشوق اُسے دروغگو سمجھ کر امتحان لے رہا ہے خدا کا شکر ہے کہ میری محبت پر اُسے ایسا گمان نہین۔ اور مین امتحان سے محفوظ ہون دوسرے یہ کہ رقیب محفوظ ہے اور عاشق صادق امتحان کی زد مین ہوتے ہوئے اس بات کا خیال کر رہا ہے کہ میرا امتحان میری محبت آزمانیکے لئے کیا جا رہا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ معشوق میری طرف وہ گمان نہین رکھتا جو غیر کی طرف ہے کیونکہ اُسکا امتحان ہی نہین لیا گیا جس کے صاف معنی یہ ہین کہ اُسکی محبت غیر معتبر اور دعوائے عشق ناقابل التفات ہے۔

تیسرا لطیف پہلو یہ ہے کہ عاشق صادق اور دشمن کاذب دونون ایک وقت مین مبتلائے امتحان ہین اور چونکہ امتحان سچا جانکر بھی لیا جاسکتا ہے اور جھوٹا سمجھ کر بھی اسلئے عاشق خیال کرتا ہے کہ غیر کی جانچ اسلئے کیجارہی ہے کہ وہ جھوٹا ہے اور میری آزمائش اسلئے کیجاتی ہے کہ مجھے سچا سمجھا گیا ہے اور اسی عندیہ کی بنا پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ معشوق اُسکی طرف وہ گمان نہین رکھتا جو غیر پر رکھتا ہے ۔

مجھکو سحر خجل نہ کرے روئے یار سے | بس اتنی التجا ہے شب انتظار سے

صبح کو خجل نہ ہونیکی دو صورتین ہو سکتی ہین یا تو انتظار کی رات مین محبت کا کامیاب جذبہ معشوق کو کھینچ کرے آئے یا شب انتظار کی سختی صبح ہونے سے پہلے پہلے منتظر یار کو آغوش لحد مین سُلادے اور یہان دونون معنی لئے جا سکتے ہین

حسن معنی کے ساتھ غالب کا کلام حسن بندش اور حسن ترکیب کا بھی بہترین نمونہ ہے ان کی بعض غزلین فصیح، سلیس روان اور شُستہ الفاظ کا بہترین مجموعہ ہوتی ہین۔ چستی بندش اور حسن ترکیب کی جسقدر بہترین مثالین غالب کے مختصر سے دیوان مین ملتی ہین ان کی نظیر سے اُردو شعرا کے بڑے بڑے دیوان خالی ہین۔

مصحفی مرحوم کے متعلق ہم پچھلے صفحات مین اچھی طرح ثابت کر چکے ہین اور بعض محققین نے اسے تسلیم بھی کیا ہے کہ روانی و چستگی کے لحاظ سے انھین نہ صرف اپنے متقدمین بلکہ معاصرین پر بھی یک گونہ سبقت حاصل ہے۔ چند مثالین ملاحظہ ہون۔

جو سیر کرنی ہے کرلے کہ جب خزان آئی | نہ گل رہیگا چمن مین نہ خار ٹھہرے گا
کرے گی تن کو بھی بیتاب بیقراری روح | ہوا مین خاک پہ مشتِ غبار ٹھہرے گا

اب نہ قیس رہا ہے نہ مجنون ہے | رہ گیا عاشقون کا افسانہ

جو ملا اُس نے بے وفائی کی | کچھ عجب رنگ ہے زمانے کا
تیرے نازک لبون سے سیکھا ہے | غنچہ انداز مسکرانے کا
دیکھو شبیہ عاشق و معشوق کا ورق | گویا مقابلہ ہے خزان و بہار کا

یون مین نے بت ماہ لقا کو نہین دیکھا | جس طرح کہ بندے نے خدا کو نہین دیکھا
ہم نام ہی سنتے ہین فقط مہر و وفا کا | آنکھون سے کہین مہر و وفا کو نہین دیکھا

تلوار کو کھینچ ہنس پڑا وہ | ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

یادِ ایام بے قرارئے دل | وہ بھی یارب عجب زمانہ تھا
اب کہان ہم کہان وہ کنج قفس | کوئی دن وان بھی آب و دانہ تھا

سینے سے تیرے جلوہ نما ہے ضیائے صبح | گل کھائی ہے بیاض گلو پر صفائے صبح
کھل جائے آنکھ گر تری شب سے تو بیخبر | قابل ہے سیر کے چمن دلکشائے صبح
ہستی سے درگزر جو تو چاہے ہے وصل دوست | جلوہ ہے آفتاب کا بعد از فنائے صبح

دیدار ہی ہے حسرت دیدار کا علاج | محشر پہ اُٹھ رہا ترے بیمار کا علاج

مزا جب ہے کہ ہو چکے ہی چکے مدعا حاصل | کسی نے کر لیا معلوم رازِ دل تو کیا حاصل

پلکین تری جبتک کہ صف آرا نہ ہوئی تھین | گلیان ترے کشتون سے تماشا نہ ہوئی تھین

یون مل گئے خوبانِ جہان خاک مین سارے　　وہ صورتین گویا کبھی پیدا نہ ہوئی تھین
اے مصحفی دزدیدہ نگہ کی تھی نہ جب تک　　کمبخت نگاہین مری رسوا نہ ہوئی تھین
عاشق سے بھی ہوتا ہے کہین صبر و تحمل　　وہ کام بتاتے ہو جو آتا ہے نہین مجھ کو
صحبت ہے ترے خیال کے ساتھ　　ہے ہجر مگر وصال کے ساتھ
یار آکے رہے قریب میرے　　ایسے ہین کہان نصیب میرے

جسقدر انتخابات کلام مصحفی کے چھپے ہین ان مین بعض بعض غزلین ایسی بھی ہین جو مطلع سے مقطع تک نہایت سلیس نہایت روان اور نہایت برجستہ معلوم ہوتی ہین - مثلاً

رہا گل سے زیادہ بیم تاراج خزان مجھکو　　بنانا ہی نہ تھا ایسے چمن مین آشیان مجھکو
نگاہون مین بہار گل کو مین تو لوٹ لیتا ہون　　بھلا کیا رخصتِ سیرِ چمن دے باغبان مجھکو
پڑا ہون شاخ سے گر کر مین برگِ زرد کی صورت　　خدا جانے کہان لیجائے اب باد خزان مجھکو
نہین موسم سفر کا تازہ آیا ہون مین صحرا سے　　بھلا دو دن تو رہنے دے چمن مین باغبان مجھکو
رہا کچھ آسرا رستے مین منزل پر پہونچنے کا　　نظر آتی رہی جب تک کہ گرد کاروان مجھکو
گلستانِ جہان مین نغمہ پرداز کہن ہون مین　　نواسنجون مین بہتر جانتا ہے باغبان مجھکو
سبک اے مصحفی یان تک ہوا مین ضعفِ پیری سے　　کہ آخر زیست اپنی ہوگئی بار گران مجھکو

اشک نے راہِ چشم تر لی ہے　　مصلحت کچھ تو دل سے کر لی ہے
دید رخ سے ہے باغ باغ نگاہ　　کیسی پھولون سے گود بھر لی ہے
آؤ میدان مین تم بھی سر باز　　اس نے پھر تیغ اور سپر لی ہے
مین نے بازار حسن خوبان سے　　مول اک حسرتِ نظر لی ہے
یہ غزل کہہ کے قدر دانون سے　　مصحفی قیمت گہر لی ہے

بندش کی چستی اور روانی نے غالب کے کلام مین ایک خاص صفت پیدا کردی ہے جسکو تماثل تراکیب کہتے ہین یعنی اس صفت مین تمام فقرے ایک ہی وزن کے ہوتے ہین جیسے -

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغان کہتے ہو　　ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہمکو
اُدھر یہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے　　نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھسے

لیکن جب ہم دیکھتے ہین تو شیخ مصحفی مرحوم کا کلام بھی اس صفت سے خالی نہین اور متعدد اشعار ایسے نظر آتے ہین جن مین تماثل تراکیب نے روانی و برجستگی کے جوہر دکھائے ہین -

پوچھے نہ کبھی تو نے مرے دیدۂ گریان
رکھا نہ کبھی تو نے مرے زخم پہ پھاہا

روش یہ ہے تو ٹھوکر کھائینگے سر ہائے مشتاقان
ادا یہ ہے تو تلوارین چلین گی تیری چیتون پر

یا وہ عالم تھا کہ عالم اس سے واقف ہی نہ تھا
یا یہ عالم ہے کہ عالم اُسپہ مرجانے لگا

حسن کہتا ہے کہ عارض سے اُلٹ دے پردہ
شرم کہتی ہے ذرا منہ کو چھپا دکھلا کر

کھیل جاتے ہین جان پر عاشق
جان دیتے ہین آن پر عاشق

کیجئے ظلم سزا وارِ خطا ہم بھی ہین
کھینچئے تیغ کہ مدت سے فدا ہم بھی ہین

غالب کے کلام مین اگرچہ صنائع و بدائع بہت کم پائے جاتے ہین تاہم رعایت لفظی سے جسکو اس دور مین شعرائے لکھنؤ نے بہت زیادہ نمایان کر دیا تھا۔ وہ بھی بالکل محفوظ نہ رہ سکے تھے بااین ہمہ انھون نے دو چار اشعار کو چھوڑ کر اکثر اس صفت مین جدتین اور لطافتین پیدا کی ہین۔

شیخ مصحفی کا شمار قریب قریب شعرائے متقدمین مین ہے اور متقدمین اساتذہ کو رعایت لفظی اور ایہام سے بہت زیادہ رغبت تھی شیخ مرحوم کے کلام مین بھی اس صفت کی سیکڑون نہین بلکہ ہزارون مثالین ملتی ہین تاہم موصوف کی صفائی طبع اور روانئی بیان نے اس صنعت کو کہین بدنما نہین ہونے دیا۔ رعایت ہے مگر اس لطف کے ساتھ کہ یک لخت اس طرف کسی کی نگاہ نہیں جا سکتی مثلاً:۔

اللہ رے تیرے سلسلۂ زلف کی کشش
جاتا ہے دل اُدھر کو کھنچا کائنات کا

ہنستا ہے پریشانئ عاشق پہ جو ہر دم
اُس گل نے زمانے کی ہوا کو نہین دیکھا

رد بات کا ہرگز نہین اس بزم مین مجھکو
جون آئینہ اک مین بھی ہون منہ دیکھنے والا

خدا کے واسطے چوب قفس کو سُرخ نہ کر
ہمارے خون پہ باندھی ہے کیون کمر صیاد

کیا قیامت ہے کہ وہ شوخ چھپائے منہ کو
اپنا دیدار ہمین روز جزا دکھلا کر

آیا نہ وہ تو صورت پروانہ جل گیا
مین دیکھ کر چراغ سرِ شام کی طرف

خدا کے واسطے چاک قفس مین پھول نہ رکھ
کہ برگ گل مری چھاتی پہ سنگ ہے صیاد

مصحفی جاکے مین گلزار سے ناشاد آیا
نہوئی نکہتِ گل سے بھی ہوادار ی دل

ہے تیرگی مین کس کو سفید و سیہ کا فرق
زندانیون کو شام و سحر دونون ایک ہین

وہی دشت اور وہی گریبان چاک
جب تلک ہاتھ پاؤن چلتے ہین

نرگس کی ہے وہ آنکھ نہ گل کا وہ رنگ ہے
کیا اندنون ہوائے گلستان پلٹ گئی

بعض مقامات پر رعایت لفظی سے ایک عجب لطافت پیدا کی ہے ؎

کی ذرا آپ دمِ شمشیرِ قاتل نے کمی ورنہ پیمانہ ہماری عمر کا لبریز تھا

آپ دمِ شمشیرِ قاتل نے کمی کرنے کے لحاظ سے پیمانہ لبریز نہ ہونا ایک لطیف رعایت ہے ؎

سر سے اک شعلہ لگا ایسا کہ ساری جل گئی کچھ نہ پوچھو ہم سے شمعِ انجمن کی سرگذشت

سر سے شعلہ لگ جانیکے بعد سرگزشت کا استعمال کسقدر مزے دار ہے ؎

ہم جانتے ہیں کوچۂ جانان کا مرتبہ مسجودِ خلق ہے یہ عجب سرزمین ہے

مسجودِ خلق ہونیکے لحاظ سے سرزمین کہنا بے مثل رعایت ہے

کہا تو نے نہ دیکھا کر مجھے، کیا عذر ہے مجھکو بجا لاؤنگا تیرا حکم تا مقدور آنکھون سے

نہ دیکھنے کی تاکید کے بعد آنکھون سے اُسکی تعمیل کرنا لفظی رعایت کی دنیا مین لاجواب مثال ہے

درد وغم، حسرت وتمنا، اور یاس وناکامی کے مضامین مین مرزا غالب نے میر تقی مرحوم کو اپنا پیشرو بنایا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ بقول سید امداد اثر جذب وتاثیر کے لحاظ سے ان کے اشعار مین ایسی نشتریت ہے کہ دوسرے اُردو شعرا کے یہان ذرا کم دیکھنے مین آئیگی۔

یہی مضامین یاس وناکامی شیخ مصحفی مرحوم کا حصہ ہین جیسا کہ ہم نے مماثلت میر ومصحفی کے سلسلے مین ثابت کیا ہے۔ اگرچہ شیخ مرحوم کے اشعار دردانگیز وحسرت خیز کی معقول تعداد درج کی جا چکی ہے۔ تاہم مرزا غالب کے مضامین زار نالی کے سلسلے مین گزیدہ اشعار کا ایک اور انتخاب پیش کیا جاتا ہے ؎

درد وغم کو بھی ہے مقدر شرط یہ بھی قسمت سوا نہین ملتا

گھیرے رہی اُسی کو گلستان مین رات برق جس شاخ پر چمن مین مرا آشیانہ تھا

اس طرف ہم ہونگے رخصت اُس طرف تو جائیو کاٹ دے اے شمع اک شب گریہ وزاری مین اور

کیا تھا جمع مال اپنا مصیبت یہ نہ سمجھا تھا ستارے برق ہو ہو کر گرینگے میرے خرمن پر

ہم اسیران قفس لطف چمن کیا جانین کون لیجاتا ہے ہمکو گل وگلزار کے پاس

ہو چکے وہ دن کہ رشکِ قمر تھا رو برو مصحفی اب مین ہون تنہا اور شب تارِ خیال

اتنا نہین کوئی کہ خبر اُس کی آکے لے کب سے بجھا پڑا ہے چراغِ مزارِ دل

آیا نہ وہ تو صورت پروانہ جل گیا مین دیکھ کر چراغ سرِ شام کی طرف

نے محرمِ چمن نہ شناسائے باغ ہین ہم اپنے اس نصیب کے ہاتھون سے داغ ہین

زبان بریدہ ہے اے ہم صفیر ہم بھی ہین جہان ہین اور قفس مین اسیر ہم بھی ہین

فلک کی خو نہین ایسون کی پرورش ورنہ شکستہ حال وغریب وفقیر ہم بھی ہین

نہ تنہا ہم ہی مثلِ گل گریبان چاک رہتے ہین — جو تیرے ملنے والے ہین وہ سب غمناک رہتے ہین
یار ہیں چیں بر جبیں سب، مہرباں کوئی نہیں — ہمسے ہنسکر بولنے والا یہان کوئی نہین
وائے ناکامی کہ فریادی ہین ہم اس شہر مین — جُز خموشی دادرس اپنا جہان کوئی نہین
ہم جو تنہائی مین فریاد کیا کرتے ہین — وصل کی شب کے مزے یاد کیا کرتے ہین
کیا مصیبت ہے کھلے آنکھ تو رونا آئے — اور جھپکے تو وہی خواب پریشان دیکھون
وصل کا روز جسے کہتے ہین سب اہل جہان — مین بھی وہ دن کبھی اے گردشِ دوران دیکھو
ہائے جن آنکھون سے دیکھا ہو رخِ روزِ وصال — پھر انہین آنکھون سے روئے شبِ ہجران دیکھون
نہ یہ طاقت کہ اُسکی بزم سے اُٹھکر مین گھر جاؤن — نہ مقدور اسقدر مجھکو کہ قربان ہو کے مرجاؤن
ساتھ لیجائے کہان عشق کی رسوائی کو — گور بھی تنگ ملی ہے ترے سودائی کو
مین وہ بیکس ہون کہ مانند چراغ سرِ راہ — مر بھی جاؤن تو کوئی آکے نہ روئے مجھکو
اس قدر چشمِ خلائق مین سبک ہون کہ اگر — ڈوبنے جاؤن تو دریا نہ ڈبوئے مجھکو
نہ یار ہے نہ کوئی آشنا ہے میرے ساتھ — خدا کے ساتھ ہون مین اور خدا ہے میرے ساتھ
ہم نے چاہا تھا کرینگے رخِ جانان پہ نگاہ — رہ گئی ضعف سے آکر سرِ مژگان پہ نگاہ
عزم ہو تجھکو اگر برق ادھر آنے کا — پہلے کر لیجیو میرے سر و سامان پہ نگاہ
قصہ کو تھی عمر جو چھیڑا اُس نے — شمع بھی روئی سحر تک ترے بیمار کے ساتھ
شاہد رہیو تو اے شبِ ہجر — جھپکی نہین آنکھ مصحفی کی
جورِ فراق بھی ستمِ آسمان بھی ہے — دل کی طرف سے یاس بھی ہے خوفِ جان بھی ہے
دیکھون قفس مین گر کسی مرغِ اسیر کو — اتنا کہون کہ کچھ خبرِ آشیان بھی ہے
حسرت پہ اُس مسافرِ بیکس کی روئیے — جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے
ہزارون حوادث ہین تا زندگی ہے — یہی زندگی ہے تو کیا زندگی ہے
رشکِ ہے حالِ زلیخا پہ کہ ہمسے بدبخت — خواب مین بھی نہ کبھی وصل سے مسرور ہوئے
کاروان دور گیا پاؤن تھکے جی ہارا — کون اب منزلِ مقصود کو پہنچائے مجھے
ہم کیا کرین چمن مین گر پھر ہوا چلی ہے — اپنا دلِ فسردہ تصویر کی کلی ہے
سراغِ قافلۂ اشک کیجئے کیونکر — نکل گیا ہے یہ کوسون دیارِ حرمان سے
بیابان در بیابان ہر طرف آوارہ پھرتے ہین — نہین بھولے ہین ہم ایسے کہ ہمکو راہ یاد آئے

ہمین قفس مین نسیم بہار بھول گئی — نہ غنچہ لائی نہ گل ارمغان ہزار افسوس
تو ہم اُنھین کو خس و خار آشیان کرتے — جو کچھ شکستہ قفس کی بھی تیلیان ملتین

مرزا غالب کی مضامین نگاری مسلّم ہے اُن کے خیالات کی پرواز بعض اوقات اس قدر بلند ہوتی ہے کہ سامعین اور ناظرین کا طائر فہم رسائی حاصل کرنے مین ناکامیاب رہ جاتا ہے۔ ایسی بلند پروازی اور علو تخیّل کا طفیل ہے کہ آج جانشینان حضرت داغ کی طرح شارحین دیوان غالب کی بھی ایک معقول تعداد ہندوستان مین نظر آتی ہے

مصحفی مرحوم میر کی طرح بعید الفہم اور پیچ در پیچ مفاہم کو شانِ غزل گوئی کے منافی خیال کرتے تھے۔ وہ ایسی شاعری کے قائل نہ تھے۔ جسے سنکر سامع کا ذہن مصیبت اور دماغ کشاکش مین پڑجائے۔ بلکہ ایسی شاعری کے دلدادہ تھے۔ جو دماغ کے بجائے دلکو سرمایۂ لطف سے مالامال کردے۔ اسقدر تخالف طبائع کے بعد دونون کے دیوان سے یکسانیت مضمون کی مثالین بہم پہونچانا آسان کام نہین۔ باین ہمہ چند اشعار درج کئے جاتے ہین جو بلحاظ الفاظ کتنے ہی متغائر کیون نہ ہون مگر بلحاظ معنی ایک دوسرے کے بالکل موافق ہین۔ اور یہ شاید اثر اس بات کا ہے۔ کہ شیخ مصحفی کی طرح مرزا غالب بھی غزل گوئی مین نظیری نیشاپوری کے مقلد و تبع تھے

تمام موجودات عالم کو جن دو حصّون مین تقسیم کیا جاتا ہے ان مین نیچا درجہ مادیات کا ہے اور اونچا مرتبہ مجرّدات کا۔ مجرّدات اپنی لطافت کے نامحسوس اور غیر مرئی ہین۔ اور جب ظہور کرتی ہین تو محسوس اور مرئی اشیا کے پردے مین ظہور کرتی ہین یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام موجودات عالم کو انوار الٰہیہ کا مظہر اتم مانتے ہین اور ہر صاحب دل کو مشورہ دیتے ہین کہ معمورۂ عالم کی حدود سے گذر کر لق و دق میدان مین جلوۂ ذات کی تلاش کرنا فضول اور لایعنی ہے۔ شیخ مصحفی مرحوم کا شعر ہے۔

ظل درخت سایۂ دیوار کچھ تو ہو — سُنسان دشت مین مجھے لے چل نہ اے جنون

کیونکہ بقول مرزا غالب ؂

چمن زنگار ہے آئینۂ فصل بہاری کا — لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کرنہین سکتی

اشک ایک شریف جذبہ ہے کیونکہ حقیقی محبت محبوب کی کسی چیز کو بھی دوسرون کے حصے مین آنا گوارا نہین کر سکتی شاعرانہ طور پر اسکی انتہا یہ ہو سکتی ہے کہ محبت کرنے والا خود اپنی ذات پر بھی رشک کرنے لگے شیخ مصحفی فرماتے ہین۔

رشک اورون سے جو ہے ہمکو ترے کوچے مین — اپنے پیرون کے نشان آپ مٹا جاتے ہین

یعنی یہ کہ جب ہم ہی اس کوچہ سے جا رہے ہین تو ہمارے پاؤن کے نشان بھی یہان کیون رہ جائین۔ مرزا غالب کہتے ہین۔

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے — مین اُسے دیکھون بھلا کب مجھسے دیکھا جائے ہے

عاشقانہ شاعری مین خلوت اور وصل کے مرقع تمام شعرائے اُردو نے کھینچے ہین لیکن ایسے لوگ کم ہین جنھون نے لطیف طرزِ ادا کو ہاتھ سے نہ دیا ہو اور عشق ومحبت کے دامن کو بوالہوسی کی چھینٹ سے بچانے کی سعی کی ہو شیخ مصحفی مرحوم کہتے ہین

بیدار ہین طالع اُنھین لوگون کے جو ہر گز ــــ پاؤن پہ ترے رکھ کے سر اپنا نہ اُٹھائین

اور مرزا غالب کا شعر ہے۔

نیند اسکی ہے دماغ اُسکا ہے راتین اُسکی ہین ــــ جس کے شانے پر تری زلفیں پریشان ہوگین

وصل اور خوش نصیبی کی نقشہ کشی اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے۔

معشوق کی جفا جفا سہی لیکن اس سے کم سے کم اتنا پتہ ضرور چل جاتا ہے کہ اُس نے اپنے عاشق کو فراموش نہین کیا۔ یہ فراموش نکرنا عاشق کے لئے سرمایۂ تسکین وموجب سکون ہے کیونکہ اس سے باہمی تعلق باطن کا ثبوت ملتا ہے۔ اور عاشق دنیائے محبت مین بالکل تہی دامن نہین رہتا۔ اسلئے شیخ مصحفی فرماتے ہین ؎

دیتے نہین جو داد تو بیداد کیجئے ــــ یعنی کسی طرح تو ہمین یاد کیجئے

اور مرزا غالب کہتے ہین

اب جفا سے بھی ہین محروم ہم اللہ اللہ ــــ اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

اس یقین کے ساتھ کہ دن، رات کا اور بادشاہ کسی گدا کا مہمان نہین ہو سکتا کوئی دردمند اپنے مسیحائے دردِ دل کو یک لخت اپنے سامنے دیکھ لے تو اسکے سوا کیا حالت ہو سکتی ہے کہ کبھی مکان کو دیکھے کہ بدل تو نہین گیا کبھی آنے والے کو دیکھے کہ دھوکا تو نہین ہو رہا یا آخر درجے پر سوچنے لگے کہ مین خواب تو نہین دیکھ رہا شیخ مصحفی کہتے ہین

مین ہون اور خلوت ہے اور پیشِ نظر معشوق ہے ــــ ہے تو بیداری وے کچھ دیکھتا ہون خواب سا

اور مرزا غالب برجستگی کے اضافہ کے ساتھ بیان کرتے ہین۔

وہ آئین گھر مین ہمارے خدا کی قدرت ہے ــــ کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہین

ایک مذہبی مسئلہ ہے کہ طالبانِ دیدارِ خداوندی قیامت کے دن دیدارِ خداوندی سے شرف اندوز ہونگے۔ فلسفیانہ طور پر اسکے دلائل کچھ ہی کیون نہ ہون لیکن شیخ مصحفی مرحوم کے خیال مین شاعرانہ حیثیت سے اسکی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ۔

شاید اُسکے حسن مین باقی ہے آرائش ہنوز ــــ روزِ محشر پر جو رکھا وعدۂ دیدار کو

مرزا غالب کا خیال بھی یہی ہے لیکن وہ دلیل سے کام لینا ضروری نہین سمجھتے بلکہ محوِ آرائشِ ہستی کے انہماک خود آرائی پر

ایک نفیس نقاب اور ڈال دیتے ہین

آرائشِ جمال سے فارغ نہین ہنوز پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب مین

اہل درد کے خیال مین دردِ عشق راحتِ باطن کا موجب اور لطف زندگی کا سرمایہ ہونے کے باعث ایسی قابل قدر چیز ہے کہ جیتے جی ہاتھون سے نہین کھونا چاہئے۔ اسلئے وہ ہمیشہ ایسے زخم کی تمنا کرتے ہین جو مندمل ہوکر خندہ زنی کا سبب نہ بنے۔ اور قیامت تک اپنی تری و تازگی کو بحال رکھے کیونکہ علاج پذیر زخم کی تمنا کرنا بوالہوسی مین داخل ہے۔ شیخ مصحفی فرماتے ہین

وہ زخم چاہتا ہون تری تیغ تیز کا جو روز حشر منہ پہ میرے خندہ زن نہ ہو

اور مرزا غالب کہتے ہین۔

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی لکھدیجو یارب اُسے قسمت مین عدو کی

منزل تسلیم و رضا مین پہونچ جانیکے بعد عاشق کو رغبت و نفرت کا احساس نہین رہتا اب وہ اس حالت مین ہوتا ہے کہ معشوق کے ہر حکم پر گردن جھکانے اور ہر کام کو بہ نظر استحسان دیکھنے کے علاوہ کچھ نہین جانتا۔ حتیٰ کہ معشوق کو غیر کے ساتھ گرم اختلاط دیکھ کر بھی خاموشی سے کام لیتا یا عاجزانہ الفاظ مین اس تفریق سلوک کی طرف اشارہ کردیتا ہے۔ شیخ مصحفی کہتے ہین۔

غیر سے گرم ملو ہم پہ یہ بیداد رہے اور تو کیا کہین ہم تمسے مگر یاد رہے

مرزا غالب کہتے ہین۔

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

اہل باطن کے لئے دنیا ایک قید خانہ ہے عیش و عشرت کا زمانہ ہو یا رنج و غم کے ایام۔ ان کی حالت مین کسی قسم کی تبدیلی نہین ہوتی، ہر موسم بہار کی آمد کے وقت دل مین اُمنگ اور طبیعت مین ولولہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کنج قفس سے نکل کر جسے دنیا والے جسم کہتے ہین اپنے گلشن مقصود کی سیر کرین لیکن بدقسمتی سے کوئی موقع نصیب نہین ہوتا۔ اور یہی سوچتے سوچتے ایک عرصہ دراز منقضی ہو جاتا ہے۔ شیخ مصحفی فرماتے ہین

فصل گل سو بار آئی ہم نہ چھوٹے قید سے بند ہین کنج قفس مین ایک مدت ہو گئی

مرزا غالب کہتے ہین۔

خزان کیا فصل گل کہتے ہین کس کو کوئی موسم ہو وہی ہم ہین قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

عشق کا لازمہ ہے کہ عاشق اپنی محبت کا ثبوت دینے کے لئے جفائین سہے تکلیفین اُٹھائے بعض اوقات صبر سکون سے کام لے

اور بعض اوقات آہ و زاری کا شغل کرے موقع حاصل ہو تو درد دل کہے اور جہانتک ممکن ہو دعویٰ عشق مین ثابت قدم اور راہِ وفا مین مستقل رہے لیکن جب تمام ترکیبین بے سود ثابت ہوتی ہین۔ اور ناآشنا معشوق کے آشنا ہونیکی کوئی صورت باقی نہین رہتی تو زندگی وبال ہو جاتی ہے اور پھر ایک منٹ بھی زندہ رہنے کو جی نہین چاہتا ایسی حالت مین معشوق کی غیر متغیر سرد مہری عاشق کو عشق و وفا کے دائرہ سے خارج کر دیتی ہے اور جب یہ مایوس محبت مرنیکے لئے تیار ہو جاتا ہے تو اُسکے خیال مین بندشِ حیات سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے کسی مخصوص جگہ کی قید نہین رہتی شیخ مصحفی فرماتے ہین

کوچہ ہو ترا یا کسی مقتل کی زمین ہو ‏ مرنا ہی ہمین مدِ نظر ہے تو کہین ہو

اور مرزا غالب کا شعر ہے۔

وفا کیسی کہان کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا ‏ تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگِ آستان کیون ہو

بے پروائی حسن کا شیوہ ہے اور عیش و عشرت مین استغراق بے پروائی کا نتیجہ اسلئے معشوق بزم نشاط کو آراستہ اور دور صہبا کو قائم رکھے اور درد مند محبت کی طرف خیال بھی نہ کرے تو چندان حیرت انگیز نہین البتہ عاشق کو اپنی کم نصیبی و نارسائی پر گریہ و زاری کرنیکی وجہ ہے کہ معشوق کی محفل عشرت مین باریاب نہین۔ شیخ مصحفی مرحوم کہتے ہین

شب تری مجلس مین وان دورِ قدح چلتا رہا ‏ تا سحر یان آنسوؤن سے سبحہ گردانی ہوئی

دورِ قدح کے ساتھ سبحہ گردانی تازگی مضمون کی بہترین مثال ہے اسی حالت کا نقشہ مرزا غالب اس طرح کھینچتے ہین

وان خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال ‏ یان ہجوم اشک مین تارِ نگہ نایاب تھا

اہل عشق جانتے ہین کہ عشاق کے رنج و راحت اور تکلیف و آرام کا سرچشمہ معشوق ہے ایک ہی ہستی کسی وقت روح کو توانائی اور دماغ کو سکون پہنچاتی ہے اور دوسرے وقت طبیعت مین ہیجان اور دل مین اضطراب پیدا ہونے کا سبب ہوتی ہے گو یا دنیائے محبت مین موت و حیات ایک معنی رکھتی ہے شیخ مصحفی مرحوم کہتے ہین۔

مُردونکو جلاتی ہے ترے پاؤن کی ٹھوکر ‏ اس چال پہ مرنا ہے بجا کبک دری کا

مطلب یہ ہے کہ ایسے معشوق کی رفتار پر جان دینا بالکل درست ہے جس کے پاؤن کی ٹھوکر مردون کو زندہ کرتی ہے کیونکہ ادھر جان دینے والا جان دیگا اور اُدھر زندہ ہو جائیگا مرزا غالب اسی مفہوم کو یون ادا کرتے ہین

محبت مین نہین ہے فرق مرنے اور جینے کا ‏ اُسی کو دیکھ کر جیتے ہین جس کافر پہ دم نکلے

دونون شعرون مین محاورات نہایت خوبصورتی کے ساتھ استعمال ہوئے ہین البتہ مفہوم اصلی مرزا غالب کے یہان ذرا نمایان ہے اور شیخ مصحفی کے یہان در پردہ۔

اسبابِ طرب جتنے تھے موجود تھے لیکن	ہمت مری طالب نہ ہوئی چرخِ دنی سے	مصحفی
نسیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم	لے لیا مجھسے مری ہمت عالی نے مجھے	غالب

حیران ہے کس کا جو سمندر	مدت سے رکا ہوا کھڑا ہے	مصحفی
کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا	آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے	غالب

نہ گیا اُس پری کو خط لکھنا	ہاتھ جب تک میرے قلم نہ ہوئے	مصحفی
لکھتے رہے جنون کی حکایات خونچکان	ہر چند اس مین ہاتھ ہمارے قلم ہوے	غالب

رکھ کے ہم زانو پہ جس وقت کہ سر بیٹھ گئے	یہ سمجھ لیجو کہ ہمسایون کے گھر بیٹھ گئے	مصحفی
یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان	دیکھنا ان بستیون کو تم کہ ویران ہو گئین	غالب

عکس آئینہ مین دیکھا تو گیا ہاتھ سے دل	آپ ناظر ہوئے وہ آپ ہی منظور ہوئے	مصحفی
آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لیکے رہ گئے	صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا	غالب

بیکسی پر رحم آتا ہے اگر مین مٹ گیا	پھر کہان اسکا ٹھکانا دربدر ہو جائیگی	مصحفی
آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب	کس کے گھر جائیگا سیلاب بلا میرے بعد	غالب

مرزا صاحب مرحوم کی یکتائے روزگار اور بیگانہ روش عام طبیعت کا اقتضا تھا کہ اپنے لئے زمینین جداگانہ اختیار کرے پھر بھی پانچ سات غزلین ایسی ہاتھ آگئی ہین جن مین دونون باکمالون نے طبع آزمائی کی ہے۔ انہین کے چند ہمقافیہ اشعار ذیل مین درج کئے جاتے ہین۔ ہم قافیہ اشعار کا تقابل کرتے ہوے شیخ مصحفی و مرزا غالب کے زمانۂ شاعری کے فصل و بعد اور رنگ شاعری کے اختلاف کو نظر انداز نکرنا چاہئے۔ کیونکہ دو شاعر ہر حیثیت سے ایک دوسرے کے مماثل نہین ہو سکتے۔

مجھے اشکون مین یون لخت جگر بہتے نظر آئے	کہ جیسے وقت شب دریا مین عالم ہو چراغان کا	مصحفی
دکھاؤن گا تماشہ دی اگر فرصت زمانے نے	مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغان کا	غالب

بہار آئی خدا جانے کہ کیا گزری اسیروں پر — نہیں معلوم کچھ اب کی برس احوال زندان کا — مصحفی
ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے — دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زندان کا — غالب

شب مہتاب میں کیا کیا سماں ہمکو دکھاتا ہے — بکھرنا چاند سے چہرے پہ اس زلف پریشان کا — مصحفی
نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالب — کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشان کا — غالب

نہ مجھ سا قدردانِ ظلم ہوگا میں وہ رہرو ہوں — دیئے ہیں تازیانے کھا کے بوسے دستِ رہزن پر — مصحفی
فلک سے ہمکو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے — متاعِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر — غالب

جو چاہا دل نے وہ ہم نے نہ چاہا واہ ری ہمت — رہیگا حشر تک خون تمنا اپنی گردن پر — مصحفی
جنون کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی — گریبان چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر — غالب

اسیری گر مقدر ہے تو ہرگز غم نہ کھا اُسکا — گران قمری کو کب ہے طوق اپنا اپنی گردن پر — مصحفی
اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے — کہ مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر — غالب

وہی ٹھوکر ہے اور وہی انداز — اپنی چالوں سے تو نہ آیا باز — مصحفی
اسداللہ خان تمام ہوا — اے دریغا وہ رندِ شاہد باز — غالب

زلف جھک کر سلام کرتی ہے — رُخ کو اور رُخ کہے ہے عمر دراز — مصحفی
تو اور آرائشِ خمِ کاکل — میں اور اندیشہائے دور و دراز — غالب

اس کا آہستہ بولنا ہے غضب — رتبہ ہے قہر نرمیٔ آواز — مصحفی
نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز — میں ہوں اپنی شکست کی آواز — غالب

اے صبا اس گلی میں گر جائے — کہیو میرا بھی تو سلام نیاز — مصحفی
تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو — ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز — غالب

آنے دیتا ہے مجھے بزم مین اپنی وہ کب — جس نے دم بھر نہ دیا بیٹھنے دیوار کے پاس — مصحفی
مرگیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے — بیٹھنا اُسکا وہ آکر تری دیوار کے پاس — غالب

کون آتا ہے عیادت کو دل زار کے پاس — لوگ سب جمع ہین اُس نرگس بیمار کے پاس — مصحفی
مُند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین ہے ہے — خوب وقت آئے تم اِس عاشقِ بیمار کے پاس — غالب

آیا تھا کون بند کھلے رات باغ مین — جو آج چاک چاک ہے جیب قبائے گل — مصحفی
غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو — جس کا خیال ہے گلِ جیب قبائے گل — غالب

اسکا یہی سبب ہے جو گرمِ فغان نہین — میرا تو اِس چمن مین کوئی ہمزبان نہین — مصحفی
پاتا ہون داد اُس سے کچھ اپنے کلام کی — روح القدس اگرچہ مرا ہمزبان نہین — غالب

یہ جسمِ زار روح کو کیونکر وبال ہو — دوشِ ہوا پہ نکہتِ گل کچھ گران نہین — مصحفی
نقصان نہین جنون مین بلا سے ہو گھر خراب — سو گز زمین کے بدلے بیابان گران نہین — غالب

حیران سا کھڑا ہے اسے ہو گیا ہے کیا — آئینہ کس کے حسن کا آئینہ دار ہے — مصحفی
دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی — اے بیدماغ آئینہ تمثال دار ہے — غالب

حیران ہون اسقدر کہ شبِ وصل بھی مجھے — تو سامنے ہے اور ترا انتظار ہے — مصحفی
کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا — آئینہ فرشِ ششِ جہتِ انتظار ہے — غالب

کیا جانئے اکسیر ہے عنقا ہے یہ کیا ہے — ملتی نہین جو چیز زمانے مین وفا ہے — مصحفی
مجبوری و دعوائے گرفتاریِ اُلفت — دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے — غالب

افسر امروہوی

حکومت ہند کے اندرونی اور بیرونی خطرات

کسی سلطنت کے استحکام کے متعلق راے قائم کرنیکے لئے چند سادہ معیار ہین جنکا کما حقہ، علم طلبائے سیاست کیلئے از بس ضروری ہے۔ ان مین سے بعض داخلی نظام اور بعض خارجی حالات کی جانچ کے لئے کام مین لائے جاتے ہین۔ ٹھیک جس طرح ایک بیمہ کمپنی کسی زندگی کی قیمت لگانے کے لئے طبی مشورہ لے گی، ڈاکٹر امیدوار کی نبض دیکھیگا اُسکے قلب کا معائنہ کریگا اسی طرح کمپنی مذکور امیدوار کے متعلق یہ بھی تحقیقات کرے گی کہ وہ کہان اور کس طرح رہتا ہے، اسکے اشغال اور عادات کی وجہ سے اسکو مخصوص بیرونی خطرات کا تو اندیشہ نہین ہے۔ اس وقت تک مین نے ایک حد تک داخلی آزمائش سے بحث کی ہے کسی سلطنت کے اندرونی استحکام کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا حکومت کی بنیاد ٹھوس ہے یا نہین۔ ہر سلطنت مین علاوہ ان دو چیزون کے جو بالکل ظاہر ہین یعنی حکومت و محکوم ایک تیسری چیز بھی ہے جسکو عام طور سے لوگ نظرانداز کرجاتے ہین۔ لیکن اسکا دریافت کرنا کچھ مشکل نہین ہے۔ میری مراد اس سے وہ خارجی طاقت ہے جو حکومت کو قائم رکھتی ہے۔ یہ طاقت ضعیف بھی ہوسکتی ہے اور قوی بھی، چنانچہ یہ طاقت جس قدر مضبوط ہوگی اتنا ہی زیادہ اس سلطنت کے قیام کا امکان ہوگا۔ مین نے ان طاقتون کی مضبوطی کے متعلق جن پر سلطنت ہند کا قیام ہے چند تحقیقات کی ہین لیکن اس سے میری غرض محض حکومت کی موجودہ صورت قیام واضح کرنا تھا نہ یہ کہ وہ قیام کب تک باقی رہیگا۔ اب ہمین اس دوسرے نقطہ نظر سے چاہئے کہ ان حاصل شدہ نتائج پر غور کرین

ہم دیکھتے ہین کہ ہندوستانی حکومت، انگلینڈ کی طرح، باشندون کی مرضی پر نہین ہے اور نہ کسی قومی حلقۂ انتخاب کے باضابطہ نظام سے وجود مین آئی ہے۔ یہان کی حکومت ہر لحاظ سے، کیا باعتبار قومیت کیا باعتبار مذہب و دستور باشندگان ملک کیلئے اجنبی ہے۔ البتہ ملک مین ایک ایسی جماعت ہے جسکے متعلق ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہین کہ بغیر اسکی امداد کے حکومت کا قیام ناممکن تھا۔ وہ جماعت فوج کی ہے اس فوج کا ایک حصہ انگریزی ہے جس کی ذات سے ہمکو امید ہے کہ وہ ہر حالت مین حکومت کا ساتھ دیگی۔ لیکن یہ عنصر ⅓ سے بھی کم ہے۔ دو تہائی فوج محض تنخواہ کی بدولت ہمارا ساتھ دیتی ہے یا اس جذبۂ وفاداری کی رعایت سے جو ایک لائق سپاہی کو برانگیختہ کرتا ہے کہ وہ اپنے جھنڈے کا وفادار رہے یہ تو ظاہری ذرائع اعانت ہین۔ کیا انکے علاوہ کوئی اخلاقی اعانت بھی ہمکو حاصل ہے جو بظاہر نمایان نہ ہو لیکن مادی طور سے معقول ہو۔ یہ سوال ایسا ہے جس مین اختلاف رائے کی کافی گنجائش ہے۔ ایک صدی قبل ملک آئے دن کے فتنہ و فساد اور غارتگری سے تباہ ہو رہا تھا۔ ہم نے اس دور کا خاتمہ کرکے اور ملک مین ایسی نمایان ترقی کرکے جو احسان اس ملک پر کیا اس سے قدرتاً ہمکو خیال گذرتا ہوگا کہ تمام طبقے معترف ہونگے کہ ہماری حکومت کی اعانت کرنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن ایسا خیال کرنا بہت عاجلانہ ہوگا۔ ہندوستان ایسی آبادی نہین ہے

جسکے اندر قومی فلاح اور مشترکہ مصیبت کا احساس جس پر ذاتی اغراض قربان ہونی چاہئین، موجود ہوگا۔ اسکے لئے درحقیقت اخلاقی اور قومی اتحاد کا ہونا مقدم شرط ہے اور یہی بات ہندوستان مین مفقود ہے۔ چونکہ یہ احساس معدوم ہے اس لئے ہر طبقہ بجائے اسکے کہ وہ یہ غور کرے کہ مجموعی طور سے ملک کو ہم سے کیا فوائد حاصل ہوئے ہین یہی دریافت کریگا کہ انفرادی طور سے اسکے مفاد پر ہمارے تسلط سے کہان تک اثر پڑا ہے۔ مسلمان اپنے مذہب کو، برہمن اپنی قدیم معاشرتی عظمت کو اور دیسی شاہزادگان اپنے مرتبہ کو دیکھین گے کہ ان پر کیا اثر پڑا۔ ملک پر جو احسان ہم نے غارتگری کا خاتمہ کرکے کیا اس سے وہ طبقہ سب سے زیادہ بہرہ در ہوا جسکا اثر بہت ضعیف ہے۔ یہ ہندوستان کا مخصوص طبقہ غریب کاشتکارون کا ہے۔ جسکے تمام خیالات مسئلہ زیست کی پریشانیون مین گم ہیں اسکی انتہائی بلند حوصلگی صرف اسقدر ہے کہ وہ جسم در وح کے تعلق کو جون تون کرکے باقی رکھے۔ وہ لوگ جو طوائف الملوکی کے زمانہ مین قتل غارتگری اور مصائب کا شکار تھے بلاشبہہ ہمکو دعائین دینگے لیکن قاتل اور غارتگر سے کبھی اس کی توقع نہین کیجاسکتی۔ اور یہی موخر الذکر وہ طبقہ ہے جو صاحب اثر و نفوذ شمار ہوتا ہے۔ اس مین مطلق شبہہ نہین کہ وہ طبقہ جو مغلون کی حکومت مین ہندوستان مین با اثر تھا، جو ملکی عہدون کا تنہا اجارہ دار تھا اور وہ لوگ جو حکمران طبقہ سے متعلق ہین، جنکے ہاتھ مین مذہب کا سر رشتہ تھا، الغرض وہ تمام طبقے جنکے خیالات ہمارے متعلق سیاسی اعتبار سے وزنی ہین ہمارے تسلط سے بہت زیادہ نقصان مین رہے۔ ہم نے دیسی اقوام کے ابھارنے مین جس قدر کوشش کی اسی قدر یہ طبقے پست ہوتے گئے۔ یہان تک کہ انکا غالب حصہ آج انتہائی مصیبت مین مبتلا ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب "ہندوستانی مسلمان" مین اس موضوع پر کافی بحث کی گئی ہے۔ ان حالات کے اندر یہ خیال کرنا سراسر احمقانہ ہوگا کہ وہ جذبۂ منت پذیری جو تھوڑا بہت ہماری حکومت نے پیدا کیا ہے اس جذبۂ برہمی کی تلافی ہوسکتی ہے جو ہم نے بر سر اقتدار اور ذی اثر طبقون کے اندر پیدا کیا ہے۔

اب ہماری حکومت کا انحصار صرف فوج پر باقی رہجاتا ہے جس مین سے ہم کا تعلق ہمارے ساتھ ویسا ہی ہے جیسا کرایہ کی فوج کا ہوتا ہے۔ یہ قوت بظاہر بہت خفیف معلوم ہوتی ہے خصوصاً اتنی بڑی سلطنت کے لئے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی مخالفت ہے جسے ہمین مغلوب کرنا ہے۔ ہمارے سامنے ایک ایسی آبادی ہے جو عادات اور قدیم روایات کی بنا پر قطعی مجہول ہے جو اجنبی فوجی طاقتون سے یہان تک پامال ہوچکی ہے کہ اُسکے اندر مقاومت کا خیال تک باقی نہین رہا۔ یہ ایک ایسی آبادی ہے جسکے اندر مطلق اتحاد نہین ہے جسکے اندر جماعتین ایک دوسرے کے نیچے دبی پڑی ہین۔ جسکی زبانین قطعی ایک دوسرے سے مشابہ نہین ہین بلکہ آپس کے اختلاط سے گڈمڈ ہوکر عجیب قسم کی بولی چال ہوگئی ہین۔ بالفاظ دیگر یہ ایک ایسی آبادی ہے جو قطعی طور پر اتحاد عمل کی نااہل ہے۔ اگر اسکے اندر متحدہ زندگی کی وہ چنگاری ہوتی جو کسی قوم کو ممتاز کرتی ہے تو ہماری گرفت اسپر اتنی سخت نہ ہوتی۔ لیکن اسکے اندر ایسی زندگی پیدا ہونے کی جلد کوئی امید نہین ہے۔ ایسی صورت مین ہماری سلطنت کو کافی استحکام حاصل ہے۔ بہ نسبت غدر کے اسوقت حکومت کئی حیثیتون سے یہ بہت زیادہ قوی ہے۔ اب انگریزی فوج کا تناسب بھی زیادہ ہے۔ علاوہ ازین غدر سے سبق حاصل کرکے ہمنے بہت سی پیش بندیان

بھی کرلی ہین - اب بھی ممکن ہے کہ غدر ہو جائے لیکن جب تک یہ غدر محض غدر رہیگا کوئی وجہ نہین کہ ہماری حکومت کے لئے مہلک ثابت ہو۔ دیسی فوجین دیسی سردارون کو پسند کرتی ہین اور جب تک رعایا کی طرف سے اُنکی حوصلہ افزائی نہین ہوگی، جب تک ان کے مقاصد مثل سابق غدر کے قطعی خود غرضانہ اور جذبہ وطنیت سے عاری رہین گے اور جب تک ان فوجون کو دوسری دیسی افواج کی مدد سے منتشر کردینا ممکن ہوگا، داخلی اعتبار سے ہماری حالت بالکل محفوظ رہیگی۔ لیکن یہ اظہار حقیقت چند خطرات کو بھی منظر عام پر لاتا ہے۔ جہان تک دیسی آبادی کی منکسر المزاجی اور اطاعت کیشی کا تعلق ہے یہ اوصاف صرف ہندوؤن کی ذات تک محدود ہین۔ مسلمانون کی عادات و روایات ان سے کلیتہً مختلف ہین۔ وہ اپنے آئینۂ ماضی مین صدیون کی مسلسل غلامی نہین دیکھتے بلکہ دیکھتے ہین کہ ابھی زیادہ عرصہ نہین گزرا کہ وہ حکمران قوم تھے۔ دوسرے ہمکو یاد رکھنا چاہئے کہ اگرچہ ملک مین تمام دیگر اتحاد مفقود ہین لیکن مذہب کا اتحاد مفقود نہین ہے۔ اسلام کا قوی اور زندہ اتحاد موجود ہے۔ برہمنیت کا اتحاد اگرچہ اس قدر زندہ نہین ہے تاہم حقیقی ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب مین جسکا ذکر ابھی ہو چکا ہے ایک باب کا عنوان ہے "ہماری سلطنت کے اندر دیرینہ سازش" اس مین لکھا ہے کہ مذہبی شورش پھیلانے والے وہابی مبلغین برابر اس آبادی کو جسے اپنے ماضی پر بڑا ناز ہے ہماری حکومت کے خلاف برانگیختہ کرتے رہتے ہین۔ بنابران اس طبقہ کے اندر اس قوم خلاف جس نے اوسے تخت و تاج سے محروم کیا غم و غصہ کے سخت جذبات پیدا ہو گئے ہین (یہ محض ڈاکٹر ہنٹر کا خیال ہے مگر اورون کو اس سے اختلاف ہے) برہمنیت اگرچہ ایک مستحکم مذہب ہے لیکن تبلیغ کی صفت سے عاری ہے۔ ۱۸۵۷ء کا غدر اگرچہ خالص فوجی تھا لیکن اسکی ابتدا مذہبی ہی تھی۔ چنانچہ اگر تمام ہندو آبادی کو یقین ہو جائے کہ اسکے مذہب پر حملہ کیا گیا تو نتیجہ خطرناک ہوگا۔ یہ امر ہمکو فراموش نہین کرنا چاہئے کہ ہندو مذہب بھی اسلام کی طرح سائنس کی دسترس سے بالاتر نہین ہے۔ ہم ہمیشہ اعلان کرتے آئے ہین کہ مذہبی رواداری کے اصول کو ہم مقدس سمجھتے ہین اور اسی وجہ سے ہماری وفاداری کیجاتی ہے۔ لیکن اگر ہندو خیال کرنے لگین کہ مغربی سائنس کی تعلیم اُنکے مذہب پر حملہ ہے تو پھر کیا حشر ہو۔

اسلئے قومیت کی تحریک کی بہ نسبت مذہبی تحریکات کے وجود کا قرینہ کم معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازین مذہبی قوتین آپس کے تصادم سے ایک دوسرے کی قوت کو زائل کردیتی ہین۔ ہندوستان مین اسلام اور ہندویت کا مقابلہ ہے اگر ایک قوت ایمان مین مضبوط ہے تو دوسری تعداد مین۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونون کی قوتین متوازن رہتی ہین۔ کیا کبھی یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ایک وقت عیسائیت ہمارے اور ان متخاصم مذاہب کے درمیان ایک مصلحانہ عنصر ثابت ہوگی ہمکو یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اسلام سامی مذہب کی انتہائی تا مکمل شکل ہے اسی طرح برہمنیت آرین خیالات کی مظہر ہے۔ مذہب عیسائیت سامی اور آرین معتقدات کے باہمی اختلاط کا نتیجہ ہے اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان اور یورپ بلحاظ مذہب ایک ہی طرح کے عناصر رکھتے ہین۔ فرق اسقدر ہے کہ ہندوستان مین یہ عناصر آپس مین ملے نہین اور یورپ مین ملکر عیسائیت کی شکل مین نمودار ہو گئے۔ سنہ عیسوی کے آغاز مین یورپ کے اندر یہودیت اور کفر پرستی کی وہی صورت

تھی جو آج ہندوستان مین اسلام اور ہندویت کی ہے۔ لیکن ہندوستان مین یہ عناصر الگ الگ رہے۔ البتہ کبھی کبھی انھون نے متحد ہونیکی کوشش کی جیسے مذہب سکھ اور مذہب اکبر۔ یورپ مین کلیسا کے ذریعہ بڑا اتحاد پیدا ہوا چنانچہ تاریخ جدید مین یہ اتحاد برابر مکمل ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے

یہ ہے نقشہ ہماری سلطنت کا جب ہم اُن قوتون پر نظر کرتے ہین جو ہندوستان کے اندر کارفرما ہین لیکن اس کے استحکام کے متعلق صحیح راے قائم کرنے کے لئے اتنا ہی ضروری ہے کہ ہم اُن اثرات پر بھی غور کرین جو خارجی ذرائع سے پڑتے ہین۔

تاریخ کے علم مین شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جو ہندوستان کی طرح الگ تھلگ واقع ہو۔ سکندر کے امیر البحر Nearchus اور واسکوڈی گاما کے درمیان یورپ کے کسی سپہ سالار نے بحر ہند مین جہاز رانی نہین کی۔ البتہ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین عرب بذریعہ جہاز سندھ آئے تھے۔ اسکے علاوہ ہندوستان کے کسی بیرونی تعلق کا بجز شمالی ممالک کے پتہ نہین چلتا۔ البتہ جاوا کے ساتھ اس کے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ جاوا مین ہندوستان کا اثر وہان کی کاوی زبان مین اب تک باقی ہے۔ جو نسبت سمندر کو جزیرہ نماے ہند سے حاصل ہے وہی کوہ ہمالیہ کو گنگا کے میدان سے ہے۔ اسکی وجہ سے ہندوستان بجائے جزیرہ نما رہنے کے جزیرہ بن جاتا ہے۔ شمال کی جانب بھی ہندوستان کے اثر کا نشان وسط ایشیا تک ملتا ہے کیونکہ مشرق اور شمال ہی کے راستہ سے بودھ مذہب اپنی عالمگیر وسعت حاصل کرنے باہر گیا لیکن اسطرف بھی کوئی ایسے سیاسی تعلقات، جنگین یا حملے نہین ہوے جنکے متعلق ہمکو مستند معلومات حاصل ہون اِلّا ایک مثال کے۔

اس لئے ہم باسانی تصور کرسکتے ہین کہ ہزارون سال تک ہندوستان کی بے تعلقی باقی دنیا سے مکمل ہو چکی تھی چنانچہ جب اسکندر اعظم نے اسپر حملہ کیا تو یہان کے باشندون نے کہا کہ اُس سے قبل اُن پر کسی نے حملہ نہین کیا تھا۔

لیکن آخرکار ہندوستان کی یہ علٰحدگی ختم ہوئی کیونکہ دراصل یہ کوئی جزیرہ تو تھا نہین۔ ہمالیہ کے کوہستانی سلسلہ مین ایک ایسا مقام ہے جہان سے اندر داخل ہوسکتے ہین۔ ہندوستان پر ایران اور وسط ایشیا سے براہ افغانستان حملہ ہوسکتا ہے چنانچہ واسکوڈی گاما کے زمانہ تک ہندوستان کے خارجی تعلق کی تاریخ کا مرکز افغانستان ہی رہا۔ اس راستہ سے آٹھ عظیم الشان حملون کا ہمین علم ہے۔

پہلا حملہ سب سے زیادہ قابل یادگار تھا لیکن اسکی تاریخ کا کوئی وجود نہین ہے۔ آرین قوم ضرور اسی راستہ سے داخل ہوئی ہوگی یا شاید ہمین کسی مقام پر اسکا وجود ہوا ہو۔ افغان خود باعتبار زبان کے آرین ہین۔ ایران کی ژنداوستا اور ہندوستان کے ویدون مین جو مماثلت ہے اس سے ہم پتہ لگا سکتے ہین کہ سنسکرت بولنے والی آرین قوم کا اصلی وطن ہندوستان اور ایران کی سرحد پر کہین رہا ہوگا۔

دوسرا حملہ سکندر اعظم کا تھا۔ یہ حملہ تاریخ مین اسوجہ سے اسقدر مشہور ہے کہ سکندر ہی نے پہلے پہل ہندوستان کا دروازہ

مغربی دنیا کے لئے کھولا۔ لیکن اس حملہ کے اثرات مستقل نہین تھے کیونکہ وہ سلطنت جسکو ہندوستان مین کچھ دنون تک قیام تھا دوسری صدی قبل مسیح مین ختم ہو گئی۔

تیسرے حملہ کی تاریخ کا بھی وہی حال ہے جو پہلے کا ہے۔ یہ اُن ستھیا والون کے حملون کا سلسلہ ہے جو پہلی صدی مسیح مین ہوے۔ چونکہ یہ حملے سنسکرت ادب کے طلبا کے لئے مفید ہین لہذا ہمین اُن پر غور کرنیکی ضرورت نہین ہے۔

اسکے بعد محمود غزنی کا حملہ آتا ہے۔ جو سنہ ۱۰۰۱ء مین ہوا۔ یہ حملہ تمام حملون سے زیادہ اہم ہے کیونکہ اسی سے ہندوستان کی علحدگی اور آزادی کا خاتمہ ہوا اور اسی سے ہندوستان کا وجود عملاً بقیہ دنیا کے لئے دریافت ہوا۔ محمود ہندوستان کے لئے بہ یک وقت کولمبس بھی تھا اور کارتھیجر (Carthage) بھی۔ کیونکہ اسکے زمانہ سے ہندوستان کی محکومیت کبھی منقطع نہین ہوئی اور درۂ خیبر اولوالعزم حملہ آورون کی آمدورفت سے پامال ہوتا رہا۔ کئی حیثیتون سے محمود مغلون کا پیشوا تھا۔ وہ مثلاً ترک اور افغانستان کی ایک چھوٹی سی سلطنت کا مالک تھا۔ اسنے اپنے ہمسایہ ہندوستان مین ہندوؤن اور بت خانون کا دیکھا اور اسلامی تعلیم سے مجبور ہوکر اسکی تسخیر پر آمادہ ہو گیا۔ ان تمام باتون مین وہ بابر سے مشابہ ہے۔

پانچوان بڑا حملہ تیمور لنگ کا تھا جو سنہ ۱۳۹۸ء مین ہوا۔ اگرچہ یہ حملہ بالکل تخریبی تھا لیکن بنفسہ نہایت اہم ہے۔ اسکی اہمیت کا اندازہ ہمکو اسوقت ہوگا جب ہم اسکا مقابلہ ساتوین اور آٹھوین حملون سے کرینگے۔

اسکے بعد سنہ ۱۵۲۶ء مین بابر کا حملہ ہوا، جس سے سلطنت مغلیہ کی بنیاد پڑی۔ جس کام کو محمود نے شروع کیا تھا اسکو بابر اور اُسکے جانشینون نے زیادہ استقلال اور خوبی سے انجام دیا۔ اگرچہ اُنکی سلطنت اُنکے پیش رون کے مانند تھی لیکن بہ نسبتہً زیادہ مستحکم اور ٹھوس تھی۔

ساتوان اور آٹھوان حملہ بھی تیمور لنگ کے حملہ کی طرح تخریبی تھا۔ اول الذکر نادر شاہ کا تھا جو تخت ایران پر شاہان صفویہ کے زوال پر متمکن ہو گیا تھا۔ یہ حملہ سنہ ۱۷۳۹ء مین جب سلطنت مغلیہ مین سریع انحطاط شروع ہو گیا تھا ہوا۔ موخر الذکر سنہ ۱۷۶۱ء مین احمد شاہ ابدالی کی طرف سے ہوا۔ یہ درانی سلطنت کا مالک تھا۔

یہ ہین خاص خاص حملے جو ہندوستان پر ہوئے۔ ان پر نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستان ان حملون کی وجہ سے بالکل چور چور ہو رہا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ایک طویل زمانہ تک ہندوستان پر حملہ کرنے کا راستہ کسی کو معلوم نہین تھا لیکن محمود غزنی کے زمانہ سے تو حملون کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ الغرض اسکی پوری تاریخ انھین حملون سے مملو ہے۔ قوت مقاومت مین ہندوستان نے اپنی انتہائی عاجزی ظاہر کی۔ اسکی تاریخ تسلط برطانیہ سے قبل مختصراً یون بیان ہو سکتی ہے۔ اول بڑی بڑی اسلامی فتوحات ہوئین پھر اسلامی طاقت کے مقابلہ مین ہندوؤن کا ردعمل شروع ہوا، جو مرہٹون کی تنظیم کی شکل مین ظاہر ہوا۔ دونون اسلامی فتوحات براہ افغانستان ہوئین۔ دوسرے اسلامی طاقتین یکے بادیگرے تباہ ہوئین اور مرہٹہ قوت قطعی طور سے مغلوب ہو گئی۔ اس کام کو صرف تین حملون نے انجام دیا جو براہ افغانستان ہوے۔ یہ سمجھانے کے لئے کہ ایسا کیونکر ممکن ہوا ہمین تم سے کہونگا کہ تم دوسری بڑی

اسلامی قوت یعنی سلطنت مغلیہ کے زوال پر غور کرو۔ اس زوال کا آخری باعث اورنگ زیب کی وہ احمقانہ کوشش تھی جو تسخیر دکن کے سلسلہ مین اس سے سرزد ہوئی۔ چنانچہ اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہی یہ زوال نمایان ہو گیا۔ لیکن وہ آخری اور کاری صدمہ جو اس سلطنت کے لئے مہلک ثابت ہوا جس نے فرد بیمار کو جان بلب کر دیا، کادر شاہ کا تباہ انگیز حملہ تھا جو سنہ ۱۷۳۹ء مین افغانستان کے راستہ سے ہوا۔ اُسنے دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ تمام خزانہ لوٹ لیا اور سلطنت مغلیہ کو ایسا بے دست وپا کر دیا کہ پھر وہ اپنا سر نہ اُٹھا سکی۔ ٹھیک اسی طرح مرہٹون کی طاقت کو بھی جب یہ اپنے عروج پر تھی اور سارے ہندوستان کو متحد کرنا چاہتی تھی احمد شاہ ابدالی کی آمد نے منتشر کر دیا۔ جنگ پانی پت نے جس مین ۲ لاکھ آدمی مارے گئے، مرہٹون کا استیصال کر دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۷۶۱ء کا ہے جب انگریز بنگال پر قابض ہو رہے تھے۔ جس طرح یہ دو حملے مغلون اور مرہٹون کے لئے مہلک ثابت ہوئے اسی طرح تیمور لنگ کا وہ ابتدائی حملہ سابق اسلامی سلطنت کے حق مین آفت ہوا، جس نے محمد تغلق کی سلطنت جو اپنے عروج پر تھی چور چور کر دیا تھا

لیکن جس طرح محمود غزنی نے شمال کی جانب سے حملہ کا دروازہ کھولا اسی طرح واسکوڈی گاما نے بحری حملون کا راستہ یورپ کے لئے کھول دیا۔ لیکن موخر الذکر نے اول الذکر سے زیادہ بڑا کام کیا، اگرچہ ابتدا مین ایسا نہین معلوم ہوتا تھا۔ محمود غزنی نے ہندوستان کا تعلق صرف مغربی اور وسط ایشیا کی اسلامی دنیا سے پیدا کیا لیکن واسکوڈی گاما نے سکندر اعظم کے بعد پہلی بار اسکو یورپ سے ملا دیا۔ اس مرتبہ ہندوستان مین یورپی تہذیب و عیسائیت کو رواج دیا گیا۔ اسکا احساس پہلے نہین ہوا کیونکہ محمود غزنی ایک زبردست فاتح کی حیثیت سے آیا اور واسکوڈی گاما ایک غریب جہازران کی حیثیت سے۔ واسکوڈی گاما کی دریافت سے عرصہ تک کوئی سیاسی نتائج نہین پیدا ہوے۔ اسکے بعد ایک دور آیا جسکو مین نے ابیبیئی دپرتگالی دور نوآبادیت سے موسوم کیا تھا۔ سولھوین صدی مین جسقدر ممالک براہ سمندر دریافت ہوئے دو قومون کے قبضہ مین تھے۔ ان مین سے نصف ایشیائی حصہ بلاشرکت غیرے پرتگالیون کے قبضہ مین تھا۔ لیکن اس صدی کے آخری سالون مین ڈچون نے پرتگالیون کی جگہ لے لی۔ جب سترہوین صدی شروع ہوئی تو انگریز ہندوستان کی ڈچ اجارہ داری مین چپکے چپکے گھسنا شروع ہوے

مین اوپر بیان کر چکا ہون کہ سترھوین صدی کے آخر مین کس طرح انگلینڈ اور فرانس نے نوآبادیاتی دنیا مین وہ حیثیت اختیار کر لی جو سولھوین صدی مین اسپین اور پرتگال کی تھی نیز یہ کہ کیونکر اٹھارہوین صدی ان دونون ممالک کی باہمی حصول غلبہ کی جدوجہد سے بھری ہے۔ سنہ ۱۷۴۵ء مین یہ جدوجہد بڑی سختی سے ہندوستان مین شروع ہوئی۔ اسوقت ڈوپلے کو معلوم ہو گیا کہ یہ نزاع تجارتی نہین بلکہ سیاسی ہے اور اُسکی قیمت ہندوستان کی سلطنت سے کم نہین ہے۔ یہ بھی ہندوستان کے خارجی تعلقات کی تاریخ مین ایک مہتم بالشان انقلابی واقعہ ہے۔ اس سے قبل ہندوستان کا تعلق بیرونی دنیا سے محض براہ افغانستان تھا لیکن اب سمندر کی طرف سے بھی ہو گیا۔

اس جدید تعلق کے بعد کچھ عرصہ کے لئے پرانا تعلق نظرانداز ہو گیا خصوصاً انگریزون کی نظرون مین جیسا کہ مین نے بیان کیا ہے انگریزون کو جس دشمن کی طرف سے ایک زمانہ تک خوف تھا، انکا پرانا دشمن فرانس تھا۔ افغانستان کی طرف سے

حملون کا سلسلہ یک قلم موقوف نہین ہوگیا تھا نادر شاہ کا حملہ سنہ ۱۷۴۸ء سے صرف ۹ سال پہلے ہوا اور یہی وہ تاریخ ہے جب سے سلطنت برطانیہ کا عروج شروع ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کا حملہ اسکے ۱۳ سال بعد ہوا ان واقعات نے انگریزون کی زیادہ توجہ اپنی طرف نہین جذب کی لیکن یہ امر ہمین دماغ سے نکالنا نہین چاہیے کہ اگرچہ انکی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا مگر انکو یہ علم نہین تھا کہ انجام کار کیا ہونیوالا ہے۔ چونکہ وہ صرف قلعہ سنیٹ جارج اور فورٹ ولیم اور اسکے قریبی حصہ ملک پر حکمران تھے انمین قدرتاً اس سے کوئی سروکار نہین تھا کہ باقی ہندوستان مین کیا ہو رہا ہے اور نہ انہین یہ غور کرنیکی ضرورت تھی کہ بحیثیت مجموعی ہندوستان کا تعلق بیرونی ممالک سے کیا ہے۔ افغانستان یا پنجاب کے معاملات انکے حدود نظر سے اتنے ہی بعید تھے جتنے کہ ترکی سلطنت کے۔

لیکن اٹھارہوین صدی کے اختتام پر انگریزون کے زاویہ نگاہ مین ایک تبدیلی ہو گئی ۔ ابتک وہ صرف مدراس اور دکن کو للچائی ہوئی نظرون سے دیکھتے تھے، انکو خاص خطرہ فرانسیسون سے تھا کہ مبادا وہ جنوبی ہند کے کسی دیسی نواب یا راجہ سے سازباز کرلین اور مدراس پر حملہ کے وقت اسکو اسلحہ، فوج اور بحری بیڑے سے امداد دین۔ چنانچہ فرانس کے ساتھ اس جنگ مین جو انقلاب امریکہ کا نتیجہ تھی ایسا ہی ہوا وہ وقت ہندوستان مین ہمارے لئے نہایت نازک تھا۔ حیدر علی نے مدراس کے راستہ مین کرناٹک پر حملہ کیا اور سمندر کی جانب سے اسکی امداد بیلی ڈی سفرن فرانسیسی جہاز ران نے کی۔ لیکن اسکے پندرہ سال بعد بونا پارٹ کی مصری مہم نے ہمارے بیرونی تعلقات کا نقشہ ہی بدل دیا۔ فرانسیسی پالیسی نے یہان بالکل ایک نئی صورت اختیار کرلی فرانسیسون کا تعلق دکن سے بالکل منقطع نہین ہوا اور یہ امید کیجاتی تھی کہ ٹیپو (سلطان) فرنچ ڈائرکٹری کے لئے اتنا ہی مفید ثابت ہوگا جتنا اسکا باپ حیدر علی لوئی چار دہم کے لئے تھا۔ لیکن بونا پارٹ کے قبضہ مصر اور مہم شام سے جن کا نشانہ یقینی طور پر انگلینڈ کی طرف تھا یہ پتہ لگا کہ وہ شمال کی جانب سے ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتا ہے اسوقت پہلی بار ہمین نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کا خیال آیا اور ہماری نظرین درہ خیبر اور زمان شاہ کی طرف اُٹھ گئین ۔ اسوقت سے برابر ہماری توجہ شمال کی جانب مرکوز رہی

ہندوستان مین ہماری خارجی حکمت عملی کا یہ دوسرا عظیم الشان دور تھا۔ اس مین سر جان مالکم کی سفارت ایران (سنہ ۱۸۰۰ء) بہت ممتاز ہے۔ اس سے قبل ہمکو "ایشیا کے توازن" پر غور کرنے یا یہ دریافت کرنیکی نوبت نہین آئی تھی کہ وہ کیا خیالات ہین جو شاہ ایران کے دماغ کو بیچین کر رہے ہین۔ لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ ہمکو روس کے اندرونی اثر کا خطرہ نہین تھا بلکہ فرانس کا تھا۔ مین اس سے قبل بیان کر چکا ہون کہ شاید ڈیوک آف ولنگٹن کو آسّی کے میدان مین فرانسیسون کے ساتھ جنگ کرتے مین واٹر لو سے کم بہادری کی ضرورت نہین پڑی ہوگی۔ اسی طرح سر جان مالکم کو سفارت ایران مین بجائے روس کے بنولین اور فرانسیسی قوت کا خیال برابر ستا تا رہا ہوگا

اگرچہ اس دوسرے دور مین ہماری نظرین افغانستان کی جانب اُٹھ گئی تھین لیکن دور اول کی طرح جنوبی ہند مین

فرانسیسون کے خطرہ کی طرف سے ہمکو اطمینان نہین ہوا تھا سرجان مالکم کی زندگی خود اسکی شاہد ہے۔ ایران کی سفارت کیلئے اسکا انتخاب محض اس امتیاز کی بدولت ہوا جو تھوڑے عرصہ قبل اسکو سلطان ٹیپو کے مقابلہ مین حاصل ہوا تھا۔ یہ سفارت بھی فرانسیسون کے مقابلہ گویا ایک جنگ تھی اور اس مین سرجان مالکم کو ویسا ہی امتیاز حاصل ہوا جیسا کلایو کو اس سے قبل فرانسیسون کے مقابلہ مین حاصل ہو چکا تھا۔ فرانسیسی ڈائرکٹرون اور سلطان ٹیپو مین چولی دامن کا ساتھ تھا جس طرح سفرن ٹیپو کے باپ کا حلیف تھا اسی طرح بونا پارٹ اسکا خود نظام کی حکومت سے نصف صدی قبل فرانسیسون کے تعلقات تھے۔ انکو بہ نسبت انگریزون کے فتح ہندوستان کے بہتر وسائل معلوم تھے۔ انکو معلوم تھا کہ فتح کا سارا راز اس مین ہے کہ دیسی سپاہیون کو قواعد سکھائی جائے اور انکو یوربین سپہ سالارون کی ماتحتی مین رکھا جائے۔ ہم دیکھتے ہین کہ ۱۷۹۸ء مین ریاست حیدرآباد مین چودہ ہزار سپاہیون کی ایک قواعد دان فوج ہے جو فرانسیسی افسر (Raymond) کی ماتحتی مین ہے۔ (Kaye) نے جو سوانح مالکم لکھی ہے اسمین لکھا ہے کہ "نظام نے فوج کی تنخواہ کے لئے ایک علاقہ مخصوص کر دیا تھا اسلحہ سازی کے کارخانے ہوشیار اور تجربہ کار یورپینون کی زیر نگرانی قائم تھے جن مین ہندوقین ڈھلتی تھین Raymond کی فوجین نہایت عمدہ طریقہ سے مسلح ہو کر میدان جنگ مین نکلین، انکے اوپر فرانس کا انقلابی پرچم لہراتا ہوتا اور سپاہیون کے بٹنون پر "کلاہ آزادی" کا نشان کندہ ہوتا۔ ایسی صورت مین بھی تاوقتیکہ نظام، ہمارا نام نہاد حلیف دیسی افواج کی امداد و اعانت کرتا اور ٹیپو علی الاعلان فرانسیسون کے ساتھ سازباز کرتا دکن مین ہماری حالت بہ نسبت سابق کے جب پہلی بار فرانسیسون سے لڑائی چھڑی تھی زیادہ مادی طور پر تبدیلی نہین ہوی جس طرح کلایو نے ارکاٹ مین فرانسیسون کی بساط الٹ دی تھی اسی طرح ۱۷۹۸ء مین بالکل ممکن تھا کہ ریمنڈ کی فوجین انگریزون کی بساط الٹ دین، اس نازک موقع پر نوجوان مالکم حیدرآباد بھیجا گیا اور وہ فرانسیسی فوج کے منتشر کرنے مین یا خود اسکے الفاظ مین "جمہوریت نوازون کے آشیانہ کو اُجاڑنے مین" کامیاب ہوا۔

TILSIT اس طرح برطانوی ہند کی خارجی پالیسی کے دو دور ہین۔ پہلے دور مین بیرونی دشمن صرف ایک تھا یعنی فرانس اور اُس سے صرف دکن کی جانب سے حملہ کا خطرہ تھا۔ دوسرے دور مین بھی دشمن وہی تھا اور اُسکا طرز عمل بھی وہی تھا البتہ اسکی طاقت بہت ترقی پر تھی اُسنے دیگر دول ایشیا مثلاً افغانستان و ایران کے ساتھ تعلقات قائم کر لئے تھے ۱۸۰۷ء کے معاہدہ کے بعد ان معاہدون مین ایک سلطنت کا اور اضافہ ہوا۔ اگرچہ یہ سلطنت یورپ کی تھی لیکن ایشیا کے افق پر لٹک رہی تھی اور جسکا نام پہلی بار برطانوی ہند کی تاریخ مین آیا۔ میری مراد سلطنت روس سے ہے۔

اس دوسرے دور کا خاتمہ نپولین کے زوال پر ہوگیا۔ اور اسی کے ساتھ ہندوستان پر فرانس کا اثر کلیتہً ہمیشہ کیلئے کہنا تو بیوقوفی ہوگا، ختم ہوگیا۔ ہندوستان سے فرانس کا اخراج ۱۸۱۰ء کی تسخیر ماریشس اور جزیرہ مذکور مین قیام امن کی بدولت ہوا۔

اسکے بعد ہمارے خارجی معاملات مین سکون ہوگیا، اور بیس سال تک ہمارے بیرونی تعلقات کسی سلطنت کے ساتھ

نہین رہے۔ اُسکے بعد ایک جدید دور کا آغاز ہوا یعنی ایک دوسری یورپین قوت ایشیا مین ہمارے رقیب فرانس کی جگہ لیتی ہے یہ روس تھا۔

ہم برطانیہ عظمی کی پوری تاریخ مین یعنی ملکہ الزبتھ کے آخر عہد حکومت سے لیکر آج تک تین بڑے اور واضح دور دیکھ سکتے ہین۔ پہلا دور سترہوین صدی کا ہے جس مین برطانیہ کلان ایک ادنی حیثیت سے ترقی کرکے نوآبادیاتی سلطنتون مین ممتاز درجہ حاصل کرتا ہے۔ اسکے بعد وہ دور آتا ہے جس مین فرانس کیساتھ امریکہ اور ایشیا مین طویل جنگین ہوئین اور جن کے متعلق مین نے بہت کچھ بیان کیا ہے۔ یہ دور اٹھارہوین صدی پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ دور بھی ختم ہو گیا اور ہم تیسرے دور مین داخل ہوے جو تاریخی ارتقا کے اصول کے مطابق دوسرے دور کے اختتام سے بہت قبل اپنی بنیاد ڈال رہا تھا۔ اس مین عالمگیر سلطنت انگلشیہ کے دو دیو ہیکل ہمسائے ہین، ایک مغرب مین دوسرا مشرق مین۔ مغرب مین ریاستہاے متحدہ امریکہ اور مشرق مین روس۔

یہ دو سلطنتین جن کا ذکر مین نے کیا ہے اس ناقابل فہم سیاسی نزاع کی طرف جدید میلان کی مثالین ہین جسکا احتمال قطعی ناممکن تھا اگر عہد حاضر کی ایجادات جو وقت و فاصلہ کی مشکلات سے بے نیاز کر دیتی ہین، پیدا نہ ہوی ہوتین۔ یہ دونون سلطنتین غیر منقطع بڑی طاقتین ہین جن کے درمیان اسی قدر وسیع، لیکن پیوستہ برطانیہ کلان واقع ہے۔ جو ساری دنیا کے لئے مثل وینس کے ہے، جس کے چارون طرف بحر ذخار لہرین مارتے ہین اور چھوٹے چھوٹے سمندرون سے ہو کر مثل خشکی کے سڑکون کا جال بچھا ہوا ہے۔

ایک معنی مین اس تیسرے دور کا آغاز انقلاب امریکہ کے وقت سے کہا جاسکتا ہے لیکن صحیح معنی مین اسکی ابتدا موجودہ صدی کے سنہ ۳۰ سے ہوی۔ کیونکہ تقدیر نے امریکہ کے لئے جو عروج مخصوص رکھا تھا وہ اسوقت تک ظہور نہین ہوا جب تک کہ آزادی استوار بنیادون پر قائم نہ ہو گئی یورپ سے امریکہ مین نوآبادکارون کا سیلاب، جو اسکی ترقی کا باعث ہوا سنہ ۱۸۱۵ء کی صلح سے قبل نہین شروع ہوا۔ پھر اسی صدی کے سنہ ۲۰ کے انقلاب جنوبی امریکہ اور اسپینی امریکہ کی قیام جمہوریت نے اسکی اہمیت دنیا مین بہت زیادہ کردی، خصوصاً قیام جمہوریت کے باعث ریاستہاے متحدہ براعظم امریکہ مین اعلی ترین مرتبہ کو پہونچ گئی۔ قریب قریب اسی زمانہ مین روس کو مشرق مین بڑی وسعت حاصل ہوی وہ زمانہ جب ہمارے اندر مشرق کی خاطر روس کی جانب سے جذبہ رقابت پیدا ہو برطانوی ہند کی تاریخ مین بہت ممتاز ہے۔ سنہ ۱۸۳۰ء مین روس اپنی ترقی کی رو مین [illegible] تک پہونچ گیا اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد اُس نے ایران کو ایسی حالت مین کردیا جو عملاً اوسکی محکومی کی مترادف تھی۔ چنانچہ سنہ ۱۸۳۴ء اور سنہ ۱۸۳۷ء مین جب ہم نے محمد شاہ والی ایران کی فوج افغانستان مین دیکھی تو ہمین یقین ہوگیا کہ اس مین روس کا ہاتھ ضرور ہے، جس طرح اُس سے ۳۰ سال قبل اس ملک کی ہر تحریک مین ہمین نپولین کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ اس وقت ہندستان کی تاریخ مین ایک نیا اور طوفان خیز دور شروع ہوا جو غدر تک یعنی ۲۰ سال تک قائم رہا۔ اس دور مین بہت سی لڑائیان ہوئین اور انھین مین سارا شمال مغربی علاقہ فتح ہوا، پنجاب، سندھ، اور اودھ کا الحاق ہوا اور آخرکار ہماری ہندستانی

رعایا کے دلون مین وہ بے اطمینانی پیدا ہوئی جسکا نتیجہ غدر کی شکل مین ظاہر ہوا۔ یہ تمام بیچینیان خاصکر روس کے خطرہ سے پیدا ہوئین، کیونکہ محض اسی خطرہ کی بدولت افغانستان کی تباہ انگیز مہم پیش آئی۔ یہ ہماری کھوئی ہوئی شہرت کی بحالی کی کوشش تھی جسکی بدولت سندھ فتح ہوا۔ اور بہت ممکن تھا کہ اگر شمال مغرب مین یہ بیچینیان شروع نہ ہوتین تو سکھون کے ساتھ ہماری لڑائیان بھی نہ ہوتین۔

اب ہمین بالکل یقین ہے کہ سنہ ۱۸۳۸ء مین لارڈ آکلینڈ نے جو طریقہ آنیوالے خطرہ کے مقابلہ کے لئے اختیار کیا تھا وہ صحیح نہین تھا۔ شاید اُسنے خطرہ کے اندازہ کرنے مین مبالغہ سے کام لیا۔ اس واقعہ کو ۹۰ سال سے زیادہ کا عرصہ گذرا اور اس درمیان مین روس کی پیش قدمی وسط ایشیا مین ہماری توقعات سے کہین زیادہ ہو چکی ہے لیکن اب بھی ہم خطرہ کے اندازہ مین بہت زیادہ مبالغہ سے کام لیتے ہین لیکن مین نے جو نقشہ ہندوستان کے خارجی تعلقات کا بیان کیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہر مین خطرہ کے اسباب موجود ہین، جن سے مہتم بالشان نتائج کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ اسکے ثبوت مین یہ سادہ واقعہ موجود ہے کہ ہندوستان مین ہمارے تینون پیش روؤن مرہٹوں (سنہ ۱۷۶۱) مغلون (سنہ ۱۷۳۸) اور سابق اسلامی حکومتون (سنہ ۱۳۹۸) کو یکسان طور پر اس طاقت نے تباہ کیا جس نے اچانک براہ افغانستان ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس سے زیادہ واضح دو اور واقعے ہین جب افغانستان کی طرف سے حملہ کرنے والون نے یعنی محمود غزنی اور بابر نے ہندوستان مین حکومت قائم کرلی۔

مین نے کہا ہے کہ یہ خطرہ محض نظری تھا اور واقعی حقیقت اس سے زیادہ نہین ہے۔ اس قسم کی دلیلون سے صرف اسقدر ثابت کیا جاسکتا ہے کہ کسی مسئلہ پر غور و تحقیق کرنے کے وجوہ موجود ہین، لیکن بد قسمتی سے جب کبھی تاریخ پر سیاست کی روشنی مین غور کیا جاتا ہے، اول تو ایسا اتفاق شاذ ہی ہوتا ہے، تو اوسی اول جلول طریقہ سے جس نقطہ خیال سے ہم مغلون اور نادر شاہ کے متعلق بحث کرتے ہین، انگریزون اور روس کے متعلق نہین کرسکتے۔ کیونکہ جو استحکام و نظم سلطنت انگلشیہ کو حاصل ہین مغلون کو کبھی نصیب نہین ہوئے۔ چنانچہ نادر شاہ کی دہلی مین آمد کے ۳۰ سال قبل سے سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ علاوہ ازین سلطنت روس ان تاتاری قومون سے جو ہندوستان پر حملہ آور ہوئین قطعی مختلف اور ان مین کی اکثر سے زیادہ بڑی اور منظم ہے۔ باوجود اسکے ہم اسکو ہرگز اس قابل نہین سمجھتے کہ وہ ان تاتاریون کی طرح فتوحات کی خاطر اتنا دور دراز کا سفر اختیار کریگی یہ قطعی ناقابل قیاس ہے۔ بہرکیف تاریخ سے بجز اسکے اور کچھ نہین ثابت کیا جاسکتا کہ ہندوستان کا راستہ افغانستان ہوکر ہے۔ یہ سوال کہ آیا روس جیسی طاقت برطانوی ہند پر اس راستہ سے کامیابی کیساتھ حملہ کرسکتی ہے ایسا سوال ہے جسپر تاریخی نظائر مطلق روشنی نہین ڈالتین۔ اس سوال کا حل صرف اس طریقہ سے ممکن ہے کہ ان دونون سلطنتون کے فوجی وسائل کا اخلاقی اور مادی اعتبار سے بتجزیہ کرکے اسکا اندازہ قائم کیا جائے۔

لیکن سوال ہوسکتا ہے کہ روس کی طاقت یا اُسکی نیت پر کہ وہ بعید فتوحات نہین حاصل کرسکتا کیونکر اعتراض کیا جاسکتا ہے۔ کیا شمال مین اُس نے تمام ایشیا کے عرض پر فتح نہین حاصل کرلی! کیا وسط ایشیا مین وہ سمرقند اور کوہ قند تک

نہین در آیا۔ کون سی طاقت کامیابی کیساتھ حملہ کرنے مین انکی ہمسر تھی۔ لیکن بقول سولن ہم کسی آدمی کو خوش نہین کہہ سکتے تاوقتیکہ اسکا انجام نہ دیکھ لین۔ کیا روس اپنے وطن مین یورپ کے رنگ مین رنگ جانے کے بعد غیر محدود زمانہ تک اسی رفتار کیساتھ باقی رہیگا؟ اسکی سیاسی بیداری کی تکمیل کے بعد کیا اُسکی خارجی پالیسی مین تبدیلی نہین پیدا ہوگی؟

اسی کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انگلینڈ روس سے مقابلہ کرنے مین کسی طرح کم نہین ہے۔ لیکن جیسا کہ مین نے کہا ہے انگلینڈ اور برطانوی ہند بالکل مختلف چیزین ہین۔ ممکن ہے کہ روس اتنا مالدار ہو جائے کہ ہزارون میل دور افتادہ علاقون کو فتح کرے لیکن انگلینڈ اتنا دولتمند نہین ہے۔ برطانوی ہند کو اپنی آپ حفاظت کرنا پڑیگی بالفاظ دیگر وہ انگریزی فوج تو رکھ سکتا ہے لیکن اُسکی تنخواہ خود اسی کو برداشت کرنا پڑیگی

اب ہم دریافت کر سکتے ہین کہ آخر ہندوستان کی ذاتی قوت کیا ہے؟ اسکا استحکام اس پر منحصر ہے کہ وہ اتنا مضبوط ہو تاکہ بہ یک وقت اندرونی اور بیرونی خطرات کا جنکا افغانستان کی طرف سے اندیشہ ہے مقابلہ کر سکتا غدر کے فرو کرنے مین ہم کامیاب ہوگئے اور کون کہہ سکتا ہے کہ روس کی حملہ آور فوج کو بھی ہم شکست نہین دیسکتے تھے۔ لیکن اگر غدر اور روسی حملہ ساتھ ساتھ ہو جائین تو کیا ہو۔ اگر ہماری دیسی فوج دشمنی کے جوش مین یا انقلاب سے فائدہ حاصل کرنیکی امید موہوم مین انگریزی ملازمت پر روسی ملازمت کو ترجیح دیدے تو کیا ہو سنہ ۱۸۵۷ء سے اسی خطرہ کا اندیشہ ہے۔ امن و سکون کی حالت مین حکومت ہند اپنے داخلی اور خارجی معاملات کا انصرام بآسانی کر سکتی ہے لیکن اُسکے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ مطلق طاقت نہین ہے۔ لہذا اسکو نہایت ہوشیاری سے اپنی حفاظت کرنی چاہئے تاکہ اسکے اندرونی اور بیرونی دشمنون مین کبھی میل نہ ہونے پائے۔

اسکے علاوہ دوسری سازشین بھی ممکن ہین جو نہایت خطرناک ہو سکتی ہین۔ اسی وجہ سے بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ جلد یا بدیر ہمکو ہندوستان سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔ کیونکہ کبھی نہ کبھی یورپ مین ایسی جنگ ہوگی جس مین ہمین ہندوستان سے اپنی انگریزی فوج واپس بلانا پڑیگی۔ یہ صحیح ہے کہ بغیر ان فوجون کے ہندوستان پر قبضہ رکھنا ناممکن ہے اور اگر کبھی اچانک ہم پر حملہ ہو گیا تو مجبوراً ہمکو یہ فوج طلب کرنا پڑیگی۔ لیکن بہر کیف یہ بھی صحیح ہے کہ فی الحال ہمین کسی ایسے حملہ کا اندیشہ نہین ہے کیونکہ سوائے فرانس کے اور کون سا دشمن ہمپر حملہ کر سکتا ہے؟ لیکن فرانس سے ہماری آخری لڑائی کو ۷۰ سال گذر گئے اب وہ پرانی دشمنی ایک قصہ ماضی ہوگئی۔ علاوہ ازین اب فرانس کی وہ پہلی جنگی طاقت بھی باقی نہین رہی۔

(ترجمہ)

عبدالقیوم رسا

ضروری گزارش } خط و کتابت کے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور ہونا چاہئے "مینجر"

قانون اور شریعت پر ایک علمی نظر

بشری شرائع اور قوانین مین افراد انسانی کے لئے کچھ اوامر ہوتے ہین اور کچھ نواہی! لیکن یہ تشریعین چونکہ ایک حیثیت سے انسانی حریت و آزادی کو جو انسان کی ایک عزیز ترین متاع ہے بہت کچھ صدمہ پہونچاتی ہین، اس لئے لوگ اکثر شرائع اور قوانین کی بندشون سے گریز کرتے رہتے ہین۔ اور انکو ایک عبث چیز سے زیادہ نہین سمجھتے

امریکہ مین مینوشی جب سے قانوناً حرام کر دیگئی ہے" تو اس کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو گیا۔ اور لوگ خواہ مخواہ کے لئے مینوشی کی طرف بڑھنے لگے، حتی کہ عمومی صحت بھی معرض خطر مین آگئی اور یہ صرف اس لئے کہ ممانعت سے پہلے خود امریکہ مین شراب بنتی تھی، اور کارخانے بڑی احتیاط کے ساتھ انکو بناتے تھے، اطبار کی مقرر کردہ مقدار سے زیادہ فروخت بھی نہ ہوتی تھی۔ لیکن اسوقت جبکہ امریکہ مین شراب کا داخلہ قاطبتہً ممنوع قرار دیدیا گیا ہر قسم کی شراب باہر سے چوری لائی جاتی ہے، اور شراب بنانیوالون کو یہ معلوم ہے کہ امریکن شرائع مین ہر رنگ کی شراب ممنوع ہے۔ اور یہ مسلم ہے کہ خراب چیزون کے بنانے مین عمدہ سے کم دشواریان ہوتی ہین۔ اسلئے بنانیوالون نے عمدہ اور خراب کی تفریق سرے سے اٹھادی اور نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ مین اب تمامتر خراب شرابین چوری چھپے استعمال کیجاتی ہین۔ حکومت ناروے نے بھی ایکدفعہ شراب کے متعلق ایسا ہی قانون بنایا تھا۔ لیکن وہان بھی جب قانونی دفعات کی دیوارین اس سیلاب کو نہ روک سکین تو ناچار تحریم کے بعد پھر مباح کر دینا پڑا۔

نجد و حجاز مین وہابیون کے یہان تمباکو بھی شراب کی طرح حرام سمجھا جاتا ہے چار گزشتہ برسون مین مصری حجاج کو اسی کی بدولت بڑا دکھ اٹھانا پڑا تھا۔ لیکن یا اینہمہ بھی ۳۰۰ برس پہلے کی ٹرکی حکومت کے مقابلہ مین حقہ پینے والون کے ساتھ وہابیون کا معاملہ بہت کمزور ہے۔ حجاز مین اسوقت زیادہ سے زیادہ تمباکو نوشی پر دُرّے لگائے جاتے ہین اور ٹرکی مین تو اس زمانہ مین تمباکو پینے والون کو پھانسی کی سزا دیجاتی تھی،

اسی طرح جب حبشہ سے یمن مین قہوہ لایا گیا، اور رفتہ رفتہ سارے ملک مین اسی کا رواج پھیلنے لگا۔ تو مکہ، مدینہ اور قاہرہ وغیرہ مین قہوہ کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا گیا جو اسوقت وہابی لوگ تمباکو کے ساتھ کرتے ہین ۳۵۰ برس ہوئے جامع ازہر کے شیخ نے فتوی دیا کہ قہوہ کا پینا حرام ہے، تعمیل فتوی مین والی شہر نے قہوہ کے برتنون کو توڑا۔ پینے والون کو درے لگائے اور قہوہ پینے والونکو سڑکون پر پھنکوایا نیز قاہرہ کے اتباع مین مکہ اور مدینہ کے لوگون کو بھی اس جرم مین درے لگائے گئے۔ لیکن ٹرکی مین جب سولی، تماکو کی اشاعت کو نہ روک سکی تو قاہرہ مین درے کی سزا قہوہ کے رواج کو کیا روک سکتی تھی؟

شراب، تمباکو، اور قہوہ، شرائع اور قوانین کی نظرون مین کبھی حلال کبھی حرام کر چکے ہین، پہلے یہ سب ممنوع تھے پھر مباح کئے گئے۔ امید کیجاتی ہے کہ ولایات متحدہ (امریکہ) مین بھی شراب کا وہی حشر ہوگا جو ناروے مین ہوا، فرانس نے بھی جب

افسنٹ کی بیع ممنوع قرار دیدی تھی۔ تو وہان بھی یہی ہنگامہ برپا ہوگیا تھا۔ مگر آج دن وہان ہر قسم کی شرابون کا استعمال جائز سمجھا جاتا ہے۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ نفس کو اباحت مین اگرچہ بعض نقصان ہون راحت ملتی ہے اور ممنوعات سے اگرچہ اس مین بعض فوائد ہون تکلیف ہوتی ہے اشیاء ممنوعہ کی طرف خواہ مخواہ کے لئے ہر شخص کی طبیعت راغب ہوتی ہے چنانچہ امریکہ کے تازہ شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت کی زمانہ مین مےنوشون کی تعداد اباحت کے زمانہ سے کہین زیادہ ہوگئی ہے

ایسے معاملات کے اندر درحقیقت کسی قانونی تشدد کے بجائے صرف ممانعت زیادہ سودمند ثابت ہوتی ہے کسی جماعت کو کسی زبون عادت کی ممارست یا کسی بڑے طریقہ کو اختیار کرنے سے منع کر دینا بلحاظ نتیجہ اس سے زیادہ اچھا ہے کہ ان پر کسی قسم کی جبر و سختی کیجائے مہدی جب سوڈان کا بادشاہ ہوا تو اُم درمان (پایۂ تخت سلطنت) مین یہ حکم نافذ کیا کہ تمام لوگ نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد مین حاضر ہون۔ جو شخص مسجد مین نہ آئیگا اور گھر پر نماز پڑھے گا اسکو سزا دیجائیگی، اسی طرح انگلینڈ مین ملکہ الزابتھ نے بھی اتوار کے دن گرجا مین تمام لوگون کے جمع ہونیکی ایک تہدیدانہ نوٹس جاری کی لیکن ان سختیون کا کیا نتیجہ نکلا؟ تاریخ شاہد ہے کہ تھوڑے ہی دنون مین ان تمام زبردستیون کے دروازے خود بخود بند ہوگئے۔

بعض تصنیفات و تالیفات بھی ممنوعات مین داخل ہین، مصر مین ڈاکٹر طہٰ حسین کی مشہور تصنیف "الشعر الجاہلی" جب ممنوع قرار دیدیگئی تو پبلک نے بڑی توجہ کے ساتھ اسکی خریداری شروع کی حتیٰ کہ اُس کا ایک ایک نسخہ گنیون میں بکا اسی طرح یورپ مین بہت سی ایسی کتابین ہین جن کا پڑھنا کیتھولک فرقہ والون کو ممنوع ہے

کبھی ان اشیاء کی ممانعت مین جن سے مباح ہونے مین کوئی نقصان نہین ہے حکمرانون کی ہوا و ہوس بھی شامل ہوتے ہے۔ امریکہ کی کسی ولایت مین یہ قانون نافذ ہوا کہ اتوار کے دن زوجین ایکدوسرے کا بوسہ نہ لین، اس لئے کہ یہ دن نماز و دعا کا دن ہے اس دن اس قسم کی ملاعبت جائز نہین ہے، حاکم بامراللہ فاطمی نے مصر مین یہ حکم جاری کیا تھا کہ لوگ ملوخیہ کو نہ استعمال کرین، لیکن یہ دونون قانون کتنے دن قائم رہے؟ فلاحین مصر برابر ملوخیہ کو کھاتے رہے اور امریکہ مین زوجین ہمیشہ ایکدوسرے کا بوسہ لیتے رہے قانونی ممانعت کی کبھی کچھ پرواہ کی گئی۔

قوانین و شرائع کے محرمات خواہ مخواہ کے لئے لوگون کو ممنوعات کی طرف مائل کر دیتے ہین۔ اور جب وہ چیز انکو دستیاب نہین ہوتی تو وہ اس سے بھی زیادہ مضر چیزون کو استعمال کرنا شروع کر دیتے ہین مثلاً اگر کسی شخص کو مےنوشی سے روکدو تو وہ افیون یا بھنگ کا ضرور عادی ہو جائیگا۔ یا اگر کسی نوجوان کی شادی نہ کرو تو یقیناً وہ بری عادتون مین مبتلا ہو جائے گا۔ پس ضروری ہے کہ دنیا کی تمام چیزون مین اباحت مدنظر رکھی جائے اور حرمت کا دائرہ صرف انہی چیزون تک محدود ہونا چاہئے۔ جن کا نقصان واضح اور عامۃ الناس کو شامل ہو۔

دنیا مین آج تک جماعت ایسی نہین پیدا ہوئی جسکی تاریخ مین اوامر و نواہی کی ایک بڑی تعداد نہو۔ مصر مین

لوگون کو قہوہ نوشی پر درے لگائے گئے کرومویل کے زمانہ حکومت مین انگلینڈ کے اندر بھٹیخانون کو مقفل کیا گیا۔ جینوا اور زیورخ مین سولھوین صدی مین ناچ کو ممنوع قرار دیا گیا۔ لیکن بااینہمہ سب جانتے ہین کہ قاہرہ مین ابتک قہوہ پیا جاتا ہے زیورخ و جینوا مین ناچ مباح ہے۔ اور لندن مین دور تمثیل تعلیم و تربیت کا گھر سمجھی جاتی ہے

بدر اصلاحی

عطر و تیل — انعامی ادویہ — عطر اور تیل

انعام ہم اپنے گاہکون کو ہر ماہ قرعہ کے ذریعہ سے پانچ۔ تین اور دو روپے کی جو چیزین یہ پسند کرین انعام کے طور پر دیتے ہین۔ آپ فوراً آرڈر بھیجدین۔ شائد اس ماہ کا انعام آپ ہی کو ملجائے۔

کناری اونس ۔ نہایت بیش قیمت کشتون۔ اور قیمتی ادویہ سے مرکب دوائی ہے۔ سردی اور گرمی مین یکسان استعمال ہو سکتی ہے۔ دماغ کو طاقت دیتی ہے۔ آواز کو صاف کرتی ہے۔ رنگ نکھارتی ہے۔ دلکو فرحت بخشتی ہے جسم کو مضبوط کرتی ہے۔ بھوک لگاتی ہے۔ اور کھانا ہضم کرتی ہے۔ تمام قسم کی مردانہ کمزوریون کا بے نظیر علاج ہے۔ کمزوری سستی۔ سرعت جریان کی تیر بہدف دوا ہے۔ عورتون کے جملہ امراض مین مفید ہے۔ ایام مین درد۔ کثرت یا قلت حیض۔ حمل کا نہ ٹھیرنا۔ یا اسقاط ہو جانا۔ بچہ کا کمزور پیدا ہونا سب امراض کیلئے فائدہ بخش ہے۔ افسردگی خفقان دمہ۔ کام سے نفرت۔ ان سب تکلیفون کا علاج ہے اسکے استعمال سے عورتون کا دودھ بڑھتا ہے اور بچہ مضبوط پیدا ہوتا ہے۔ پرانا نزلہ اور بخار کیلئے نہایت مفید ہے تھکان کو دور کرتی ہے۔ بینائی کو طاقت دیتی ہے جسم کو مضبوط کرتی ہے قیمت باوجود ان سب خوبیونکے عہ فی شیشی مع محصولڈاک تین شیشی ۱۲ء چھ شیشی ۵ء

سرمہ نورانی آنکھونکی جملہ امراض مین مفید ہے۔ ککرے دن۔ بصارت کی کمزوری آنکھونکی سرخی۔ دھند۔ جالا۔ شب کوری۔ ناخنہ زخم۔ پانی کا بہنا سب امراض مین مفید ہے۔ قیمت عہ فی تولہ۔

دلکشا منجن ۔ دانتون اور مسوڑونکی خرابی کو آجکل کی تحقیقات مین نصف بیماریون کا موجب قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ ہے بھی درست تبھی تو مذہب نے بھی مسواک پر اسقدر زور دیا ہے۔ دلکشا منجن دانتون کی صفائی مسوڑون کی مضبوطی۔ خون کو روکنے منہ کی بدبو کا ازالہ۔ اور دانتون کے ہلنے۔ اور انکے کیڑونکے دور کرنے کیلئے اور درد دندان کیلئے مفید ہے۔ قیمت فی شیشی عہ

دلکشا کریم ۔ منہ اور ہاتھون کے نرم رکھنے۔ رنگ کو نکھارنے۔ جلد کے پھٹنے۔ داتون۔ داغون۔ تلون اور پھنسیون کا یونانی علاج ہے قیمت عہ

دلکشا ہیر آئیل ۔ بالون کی صحت کا خیال نہ صرف عورتون کیلئے ہی ضروری ہے۔ بلکہ مردون کیلئے بھی۔ دلکشا ہیر آئیل نہ صرف بالون کو خوبصورت۔ ملائم۔ مضبوط۔ اور لمبا کرتا بلکہ یعنی سکری کا بھی علاج ہے۔ پس عورت اور مرد اس سے یکسان فائدہ حاصل کر سکتے ہین۔ قیمت عہ فی شیشی تین شیشی کے خریدار سے بجائے ساڑھے سات روپیہ کے سات روپے وصول کئے جائینگے **دلکشا عطر** ۔ ہمارے کارخانہ مین ہر قسم کا عطر نئی طرز پر تیار کئے جاتے ہین۔ ان عطرونکے بنانے مین یہ کوشش کیگئی ہے۔ کہ عطر کی خوشبو پھول سے مشابہ ہے۔ عہ تولہ سے لیکر آٹھ روپیہ تولہ تک ہر قسم کے عطر ملسکتے ہین آرڈر دیکر خود ہی ہمارے عطرونکا تجربہ کرین فہرست دو پیسے کے ٹکٹ آنے پر ارسال کی جاتی ہے۔ **منیجر دلکشا پرفیومری کمپنی** قادیان پنجاب

جماعت وفرد کا موازنہ

موجودہ زمانہ مین جماعت کے فیصلے غیر معمولی اہمیت اختیار کرتے جاتے ہین کارگاہ عالم کے تقریبًا تمام شعبون مین جماعت ہی کے ''اشارۂ ابرو'' اور ''جنبشِ لب'' پر سارا کام کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر ملک مین ایک پارلیمنٹ ہوتی ہے، جس کے متفقہ احکام نافذ ہوا کرتے ہین۔ اور ملک کے گوشہ گوشہ مین نیکی واحسان، تعلیم وتعلم، تہذیب واخلاق وغیرہ کی بہت سی کمیٹیان قایم ہین جو اکابر ملک کے متفقہ فیصلون کی تبلیغ کرتی ہین غرض یہ کہ عصر حاضر مین حکمت اجماع پر لوگون کا ایمان غیر معمولی طور پر راسخ ہو چکا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جماعت مین خود کوئی قابل احترام عظمت نہین ہے بلکہ ہماری نشو ونما چونکہ ایسے ماحول مین ہوئی ہے جہان سیاست یا ملک، مذہب یا ملت ہر ایک شعبہ مین ''خارج از جماعت'' کی تحقیر کیجاتی ہے۔ اس لئے ہم سب لوگ جماعت کا احترام کرتے ہین اور یہ سمجھتے ہین کہ جماعت کی رائے ہمیشہ فرد کی رائے سے اچھی ہوتی ہے یا کم از کم اگر اس سے بلند نہین ہوتی تو پست بھی نہین ہوتی خصوصًا جبکہ وہ فرد بھی ایسی جماعت کا ایک عضو ہو ورنہ حقیقت مین جماعت کی رائے ہمیشہ فرد کی رائے سے گری ہوئی ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ عام ناظرین کو میری اس ناچیز رائے سے اتفاق نہو، لیکن جن دلائل کی بنا پر مین اس خیال تک پہونچا ہون انکو ذیل مین عرض کرتا ہون آئندہ ناظرین کو اختلاف رائے کا حق حاصل ہے۔

جماعت کی رائے فرد کی رائے سے فروتر ہوتی ہے

انسان مین چونکہ ایک استمراری ترقی پائی جاتی ہے۔ اس لئے وہ اس میدان مین نہ تو کبھی کسی حد پر ٹھہرا ہے اور نہ آئندہ کبھی ٹھہریگا۔ آدم کے تمام بیٹے ''غرائز قدیمہ'' کے اعتبار سے تو باہم مساوی ہوتے ہین۔ مگر ''غرائز جدیدہ'' کے اعتبار سے انمین فرق ہوتا ہے۔ مثلًا کھانے اور پینے، دوستی اور محبت، قتل اور قتال، خوف اور دہشت مین ہم سب برابر ہین، اس لئے کہ یہ ''غرائز قدیمہ'' ہین، جو انسانی طبیعتون مین ازمنۂ قدیمہ سے راسخ ہو چکی ہین، اور فہم وذوق کا مین (جو غرائز جدیدہ ہین) ہم سب متفاوت ہین، اسبارہ مین لوگونکی مثال بعینہ ویسی ہے جیسے جماعت مین طبقۂ متعلمہ کی! غور کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ اس جماعت کے تمام افراد کا اشتراک صرف اس قرأۃ وکتابۃ کی معرفت مین ہوگا جسکو ان لوگون نے عہد طفولیت مین سب سے پہلے سیکھا ہے اس کے علاوہ تاریخ یا جغرافیہ ریاضی یا ہندسہ، منطق یا فلسفہ، ادب یا ہیئت وغیرہ علوم وفنون مین وہ بالکل ایک دوسرے سے الگ ہونگے۔ دوسرے لفظون مین یون سمجھو کہ اگر کسی طبقۂ متعلمہ کے افراد کو جمع کیا جائے اور تعلیم کے متعلق ان سے ایک ایسی اجماعی رائے لی جائے جسپر ساری جماعت کا اتفاق ہو تو یہ رائے کبھی بھی قرأۃ وکتابۃ کی حد سے آگے نہ بڑھے گی۔ اسلئے کہ یہی دونون چیز مین ایسی ہین، جن مین اس جماعت کے تمام افراد باہم مشترک ہین باقی تاریخ یا جغرافیہ، ریاضی یا ہندسہ ادب یا منطق کسی فن مین بھی وہ سب ایک ہی رائے پر اتفاق نہ کرین گے۔ اس لئے کہ سب نے اسکو سیکھا نہین ہے۔ اور ہر شخص کا ذوق مختلف

ہوتا ہے۔

ٹھیک یہی حال ہر اجتماع مین جماعت کا بھی ہوتا ہے۔ "افراد جماعت" چونکہ "غرائز قدیمہ" مین تساوی ہوتے ہین اور "غرائز جدیدہ" مین متفاوت! اس لئے کسی ایک ہی چیز پر تمام افراد کا اجتماع قطعاً ناممکن ہے۔ اور "جدید" چونکہ "قدیم" سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتا ہے (اسکی واضح مثال "ذکاء" ہے کہ یہ تمام غرائز قدیمہ سے ترقی یافتہ ہے) اس لئے افراد کی منفرد عقل بھی جماعت کی مجمع عقول سے کہین زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے۔ جماعت والے اسی چیز پر اجتماع کرین گے جس مین وہ سب باہم مشترک ہونگے۔ اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا اشتراک "غرائز جدیدہ" مین نہین ہو سکتا۔ بلکہ وہ صرف "غرائز قدیمہ" مین مشترک ہوتے ہین اس لئے "غرائز جدیدہ" مین ان کا اجتماع ناممکن ہی نہین بلکہ قطعاً محال ہے۔

اگر یہ صحیح ہے جسکو ہمنے ابھی بیان کیا ہے۔ تو ضرورت ہے ان لیڈرون کی جو سواد امت کے دلون کے مالک ہین، ایک ایسے شخص کی جو انسانون مین "ذکاء" کو نہین بلکہ "غرائز" کو مخاطب بناتا ہو۔ اسلئے کہ ذکاء ایک جدید چیز ہے، اسپر تمام افراد کا اجماع ناممکن ہے۔ پس ایک زعیم کے زعامۃ کی اساسی شرط یہ ہے کہ وہ جازم ہونے کے علاوہ "ایحاء" کو بالقصد جماعت کے ساتھ استعمال کرے۔

"ایحاء" اس تاثیر کو کہتے ہین جسکو انسان ایسے ہی مواقع پر محسوس کیا کرتا ہے اس تاثیر کا یہ اثر ہوتا ہے کہ زعیم جو چاہتا ہے اسکو لوگ ہنسی خوشی کے ساتھ انجام دیتے ہین، یہ تاثیر خطیب کی جانب سے وجاہت ظاہری، حُسن صورت و سیرت یا شیخوخت کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن منطق سے کبھی بھی یہ بات حاصل نہین ہو سکتی۔

"ایحاء" یعنی اس تاثیر سے ہم ہمیشہ بلا اختیار متاثر ہوتے ہین اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطیب جو ہمارے سامنے اپنے اغراض پیش کرتا ہے اس کا مخاطب دراصل ہماری "عقل باطن" ہوتی ہے۔ اور "عقل باطن" چونکہ "عقل داعی" سے فروتر ہوتی ہے اس لئے جب ہم کسی اجتماع مین سیاسی یا دینی خطیب کے سامنے جمع ہوتے ہین تو اپنی اہم ترین صفت "ذکاء داعی" سے مجرد ہو کر "ایحاء" سے متاثر ہو جاتے ہین

اجتماع کی حالت مین "ایحاء" اس ذکاء کے قایم مقام ہوتا ہے جو انفراد کے وقت ہماری سب سے غالب صفت ہوتی ہے۔ دوسرے لفظون مین یون سمجھو کہ اجتماع کی حالت مین فرد گر جاتا ہے اور انفراد کی حالت مین بلند ہو جاتا ہے

غرض یہ کہ ہم اجتماع کی حالت مین ترقی کے زینون پر ہرگز نہین چڑھ سکتے اس لئے کہ اسوقت ہم "عقل داعی" سے بالکل مجرد ہو جاتے ہین اور صرف "عقل باطن" ہماری رہبر و پیشوا ہوتی ہے۔ جو اس کام کے قابل نہین۔

امراض جماعت

بہر حال یہ ثابت ہو چکا کہ افراد جماعت چونکہ "ذکاء جدیدہ" مین مشترک نہین ہوتے بلکہ ان کا اشتراک محض "غرائز قدیمہ" مین پایا جاتا ہے، اس لئے انسان اجتماع کے وقت اپنی انفرادی حالت سے بہت زیادہ نیچے آ جاتا ہے۔ اور جدید فسلوجی بحثون سے یہ حقیقت بھی ثابت ہو چکی ہے کہ کابوس صرف ان جذبات مختبئہ کی بدولت

پیدا ہوتا ہے جنکو ہم عالم بیداری مین اپنے اندر محسوس کر لیتے ہین۔ چنانچہ "عقل داعی" جب غافل ہو جاتی ہے تو نیند مین لوگ بولنے لگتے ہین، اکابوس مین ہمارا رویہ اور مسالک عین اسلاف قدماء کا مسالک ہوتا ہے۔ وہ خوف کا جواب "جمود" سے دیا کرتے تھے اور اسی "جمود" کے باعث وہ درندون کے بے پناہ حملون سے محفوظ رہتے تھے حتی کہ اسوقت بھی بعض حیوانات ناگہانی حادثات کے موقعہ پر بالکل ساکن اور خاموش ہو جاتے ہین لومڑی اس فن کی بڑی ماہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بھی جب کابوس مین ڈراونی چیزون کو دیکھتے ہین تو مطلق حرکت نہین کرتے۔

اس کا واضح منشا یہ ہے کہ ہم کابوس مین قدیم حیوانی عقل سے غور و فکر کا کام لیتے ہین اس لئے کہ کابوس کی اصل ہی "عواطف قدیمہ" کا احتباس ہے، ٹھیک یہی حال ثورہ مین جماعت کا بھی ہوتا ہے، جماعت کے اندر ثورہ علتِ اولی کے اعتبار سے ویسا ہی ہے جیسا فرد مین کابوس! "احتباس عواطف" اور "قدیم حیوانی مسالک" کا نام کابوس ہے اور "ثورہ" اس ہنگامہ کو کہتے ہین جسکی آگ عرصہ سے اندر ہی اندر سلگ رہی ہو اور ایکدن دفعتۃً مشتعل ہو جائے ایسے ہنگامہ مین انسان وہ سب کچھ کرتا ہے جس کا علاقہ وحشت اور بربریت سے ہوتا ہے۔ مخازن کو برباد کرنا، اغنیاء کو لوٹنا، دورِ حکومت کو زیر و زبر کرنا، لیڈرون اور زعیمون کو قتل کرنا، مستورات کو بے عزت بنانا، معصوم بچون کو گولیون کا نشانہ بنانا۔ اپاہج اور مجبور بوڑھون کی جان مارنا اس ہنگامہ کی ایک ادنی کرشمہ سازی ہوتی ہے۔ فرانس کے ثورۃ الکبری مین یہ تمام انسانیت سوز اور خونی معرکے ہو چکے ہین

عبرت بہر حال ابتک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا مقصود صرف یہ ہے کہ کسی ایسی رائے یا عقیدہ پر یقین نہ لایا جائے جو بہت سے لوگون کا متفق علیہ خیال ہو۔ دوسرے اس ضغط و فشار کی حمایت کیجائے جو کابوس کا باعث ہے۔ دنیا مین وہ کسی جماعت نے دیکھا جو قیصر روس کو تنہا شیوعتیہ مین نظر آیا؟ بلکہ قیصر نے خود روس کے ساتھ جو کچھ کیا وہ دنیا کی کس جماعت نے کس کے ساتھ کیا؟

بدر اصلاحی

سرمہ تریاق چشم

اس کے متعلق حضرت نیاز فتحپوری صاحب ڈیٹر رسالہ نگار تحریر فرماتے ہین کہ تجربہ سے یہ سرمہ بہت مفید ثابت ہوا ہے اور آنکھ کے بہت سے امراض کے لئے کار آمد چیز ہے قیمت علاوہ محصول - عہ

انڈین میڈیکل اسٹور نظیر آباد لکھنؤ

مومن وکلام مومن

(بسلسلۂ سابق)

۱- "الفاظ" کے اہتمام مین اور ان کی ترکیب و ترتیب مین ایسا کمال دکھایا ہے کہ جو لفظ جس جگہ، جس طرح جس مفہوم کے ادا کرنے کے لئے رکھ دیا ہے۔ اس کے سوا دوسرا لفظ لانا استاتذۂ فن کے لئے بھی دشوار ہے۔

۲- "مومن" کا یہ کمال دیکھئے کہ ان کی جدت پسندی نے غزل، قصیدہ مثنوی۔ واسوخت کے لئے حتی الوسع الفاظ بھی علحدہ کر دیئے ہین۔

۳- جس طرح شکسپیر نے اپنے لئے ڈرامے کا میدان علحدہ کیا ہے، "مومن" نے غزل کا اقلیم اپنے لئے درست کر لیا ہے، جس مین وہ مالک تخت و تاج ہین، اس مین اس کا اضافہ کر لیجئے کہ انہون نے قواعد مقررہ کو پامال نہین کیا ہے

۴- تمام دیوان عشق حلال کا مرقع ہے یعنی وہ تمام شاعرون کی طرح امرد پرستی نہین کرتے بلکہ ان کا عشق خود پاک اور تصوف کے پاک دامن سے چھنا ہوا ہے۔

امرد پرستی کے جذبات نے بڑے بڑے متقی اور متورع شعرا کا دامن بھی داغدار بنا دیا ہے۔ مثلاً میر صاحب کہتے ہین:-

ستم ہین قہر ہین لونڈے شراب خانے کے ۔۔۔ اتار لیتے ہین عمامہ بھی نمازی کا

اس شعر مین لونڈے کے لفظ نے سخت تعفن پیدا کر دیا ہے۔ دوسرا شعر اس سے مہذب دیکھئے:-

خط منہ پہ آئے جانان خوبی پہ جان دے گا ۔۔۔ ناچار عاشقون کو رخصت کے پان دیگا

دوسرے دور مین مصحفی کو دیکھئے:-

مان کہنے کو مرے امرد پرستون سے نہ مل ۔۔۔ صاف چہرے پر ترے خط کا ابھی آغاز ہے

تیسرے دور مین آتش بھی اس مین مبتلا ہین:-

سبزے سے خط یار کے ہوتا ہے غم غلط ۔۔۔ کیونکر کہین نوشتہ قسمت کو ہم غلط

مومن کے معاصر ذوق بھی اسی رنگ مین کہتے ہین:-

ذوق ہے ایک رند شاہد باز ۔۔۔ دخل کیا اس کو پارسائی مین

اگرچہ اُردو شعرا نے اس مضمون مین فارسی کی تقلید کی ہے لیکن "مومن" نے اس کو محسوس کر کے اپنی راہ الگ بنائی جو محفوظ بھی ہے اور خوشنما بھی مومن نے نہ تو امرد پرستی کی ہے اور نہ کھُلم کھلا "لیلےٰ" عذرا، سلمٰی کو معشوق بنایا ہے بلکہ اپنے راز عشق کو معشوق پردہ نشین کے حوالہ کر دیا ہے، وہ اپنی غزلون مین لفظاً جا بجا اس کا ذکر کرتے ہین اور معناً اس کی مناسبت سے

یہان تک تو چندان مضائقہ نہ تھا حالانکہ اس کا تمنا جی جواب دیا جا چکا ہے لیکن حسب ذیل اشعار بھی اس مد مین شمار کیے گئے ہین:-

ذکر اغیار سے ہوا معلوم ... حرف ناصح برا نہین ہوتا
دفن جب خاک مین ہم سوختہ سامان ہونگے ... فلس ماہی کے گل شمع شبستان ہونگے
لیا ہے دل کے عوض جان بے رقیب دون ... مین اور آپ کی سوداگری زبان کے لئے

یہ سمجھ مین نہین آتا کہ ان اشعار کے کون اجزا سمجھ مین نہین آتے اور ان کے سمجھنے مین کیا اشکال ہے۔ پھر اشکال اور اغلاق کا معیار کیا رہا ہے اگر اس کا نام اشکال اور اغلاق ہے تو غالب کے ان اشعار کے متعلق کیا کہا جائے گا؟

ودیعت خانۂ بیداد کاوش ہائے مژگان ہون ... نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خون تن مین
گلشن آباد دل مجروح مین ہو جائے ہے ... غنچۂ پیکان شاخ ناوک صیاد گل
حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز ... دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز
مجنون فسون شعلہ خرامی فسانہ ہے ... ہے شمع جادہ داغ نفیر رختن ہنوز

یہ اشعار دیوان غالب نسخہ حمیدیہ مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ سے لئے گئے ذوق کے ایسے سلاست پسند کے کلام مین اس قسم کی مثالین موجود ہین۔

طاس قلیان مین رکھا ہے اس نے ابر بردہ کو ... ڈوب مر ہر رو کے تو اے ابر ہم بھی آپ ہین
بے بادہ عذر گی مین ہون ذوق حون مویز ... کی توبہ بے وقوف نے ناحق شباب مین
مین ہون وہ نخچیر جسکو دیکھتا ہے وقت ذبح ... دیدۂ حسرت سے حلقہ جوہر ساطور کا

حقیقت یہ ہے کہ اسوقت فارسی دانی کے غلبہ اور رواج کی وجہ سے مجبوری۔ انوری۔ خاقانی کے رنگ مین کہنا کمال سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ غالب نے اس کا تتبع یہان تک کیا کہ بعض اشعار ایسے زبان اور ایسی ترکیب مین ادا ہوے ہین کہ ابتک یہ طے نہ ہو سکا کہ ان کی زبان اردو ہے یا فارسی؟ اور شاعر کا مقصد کیا ہے؟ الفاظ سے یہ مقصد حاصل بھی ہوتا ہے یا نہین جو منشائے بیان ہے۔

(۲) زبان کی ناہمواری کا الزام لگا کر یہ اشعار پیش کیے جاتے ہین:-

بے حجابی کا گلہ کیجے تو کہتا ہے ترے ... پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا
ہان جوش طپش پھڑ چلی جائے کہ پھر تو ... جھڑ جائین گے فرمودہ اگر دام نہ ہوگا

مومن کا یہ انداز بیان اگر قابل اعتراض ہے تو میر ذوق اور غالب پر کیون مہربانی کی گئی ہے حالانکہ وہ لوگ اس رفتار مین کئی قدم آگے ہین۔

میرؔ — ہوتا تھا مجلس آرا اگر غیر کا تجھے تو ... مانند شمع مجھ کو کاہے کے تئین جلایا

غالبؔ — مین نے مجنون پہ لڑکپن مین اسدؔ ... سنگ اُٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

" — مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ مین ... شایانِ دست و بازوے قاتل نہین رہا

ذوقؔ — سرد مہری سے فلک ڈال نہ پالا کہ ابھی ... نخلِ سرمازدہ کی طرح سے جل جاؤنگا

" — کیا کیجیے لگی ہے تری ہم کو جون نسیم ... آئے تھے سر پہ خاک اُڑا اے چلے گئے

اس قسم کے اشعار ان شعرا کے کلام مین بکثرت موجود ہین، ان کے علاوہ سوداؔ، آتشؔ اور مصحفیؔ کے کلام مین بھی یہ مثالین بکثرت ملین گی، داغؔ نے بھی اس سے احتراز نہین کیا ہے مثلاً

تیرے بیمار محبت اب تو ... قابلِ غور ہوئے جاتے ہین

حقیقت یہ ہے کہ اس دور تک یہ انداز مجبوب نہ تھا ورنہ "مومن" یا ان کے معاصرین کبھی گوارا نہ کرتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اصولی طور پر یہ نہ تو مذموم ہے اور نہ غلط ہے، البتہ اس کا ترک بہتر ہے۔

(۳) "مومن" نے مضاف الیہ کے نون آخر کا اعلان کیا مثلاً

یہ دیکھ تو مجھے کہ طاقتِ بیان نہین

اس کا اظہار بھی ابتدائے دور سے اسوقت تک معیوب نہ تھا، اس دور کے بعد بھی اس کا اظہار کیا گیا ہے۔

میرؔ کے ایسے محقق اور اہل زبان، مسلم الثبوت استاد نے اس طرح کہا ہے۔

خوبرو سب کی جان ہوتے ہین ... آرزوے جہان ہوتے ہین

غمزۂ چشم خوش قدان زمین ... فتنۂ آسمان ہوتے ہین

مصحفیؔ نے لکھا ہے۔

دشوار ہے اپنے کو پیمبر کے پہونچنا ... ہے موسیِٔ عمران بھی ہارون رہ گئے

میرؔ دوسری جگہ لکھتے ہین:-

غنچہ ہے وہ دہان ہے گویا ... ہونٹھ پر رنگ پان ہے گویا

میر حسنؔ لکھتے ہین:-

دردِ فراق، زخم جگر داغِ دل حسنؔ ... کیا کیا نہ وہ ہمین گل خندان دیچکا

غالبؔ نے لکھا ہے:-

مشکین لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان ... نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے

مصحفیؔ کے شاگرد مسرورؔ نے لکھا ہے:-

بدنام تو ہوا میں وہ کہتے ہیں دیکھئے کیا کچھ کریگا دیدۂ گریان آپ کا

(۴) "شمر" کو حرکت میم کے ساتھ "شمَر" کہا،

یہ اعتراض بھی غلط ہے اصل لفظ شمِر میم کے کسرہ کے ساتھ ہے (دیکھئے اقرب الموارد قاموس وغیرہ) شمَر خود غلط ہے۔ شمِر کو اسم ہے ابن افریقش بادشاہ یمن کا، اس نے شہر "سغد" فتح کرکے اس میں قلعہ وغیرہ بنایا، اس لئے شمر کند یعنی اس کو بنایا کہا گیا آخر میں وہ سمرقند ہو گیا

"مومن" نے اس لفظ کو عوام کے خلاف صحیح استعمال کیا

(۵) "مومن" نے حسب ذیل ردیفیں بیکار رکھی ہیں:۔

مجھ پہ طوفان اٹھائے لوگوں نے مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

اس میں "لوگوں نے" بیکار ہے

یہ اعتراض بھی بالکل ہیچ ہے کیونکہ "لوگوں نے" فاعل ہی فعل معروف میں جملہ بغیر فاعل کے پورا نہیں ہوتا اس لئے اس کا ذکر ضروری تھا۔

اس کے علاوہ اور جو اعتراضات ہیں وہ قابل التفات نہیں البتہ ان میں ایک اعتراض قابل لحاظ اور لائق جواب ہے

(۶) "مومن" نے تلمیح بعید سے کام لیا ہے مثلاً:۔

جلتا ہوں اہل نار کی تبدیل جلد سے "مومن" غضب ہے آتش لذت فزائے داغ

تیشہ کچھ دشنۂ شیرویہ نہیں اے غیرت اپنے ہی خون سے مگر دامن فریاد بھرے

جس زمانے میں "مومن" نے یہ شعر کہے ہیں "مسلمان" اپنے مذہب اور اس کی روایات سے بالعموم واقف ہوتے تھے، اس لئے "اہل نار" اور "تبدیل جلد" کے الفاظ کے ذکر سے "بدلناہم جلوداً غیرھا" کی طرف ذہن کا فوراً منتقل ہونا یقینی تھا، اب اگر کسی کا ذہن منتقل نہ ہو تو "مومن" پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کبھی آگے چلکر معتقدات مذہب لوگ بھول جائیں تو اسوقت کے اشعار جن میں اشارے موجود ہیں قابل اعتراض نہیں ہو سکتے۔

دوسرے شعر کا واقعہ بھی عام طور پر مشہور تھا اور مشہور ہے اس لئے اس کو بھی تلمیح بعید نہیں کہہ سکتے۔

تعجب ہے کہ اس شعر میں تو تلمیح بعید ہے اور غالب کے اس شعر میں نہیں

کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

یا اس شعر میں:۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

(۷) قصیدوں میں "مومن" نے الفاظ و محاورات علمیہ استعمال کئے ہیں تو ان کے کمال کی دلیل ہے، اعتراض کی صورت نہیں

انوری، خاقانی کے قصائد دیکھئے ان مین علوم عقلیہ نقلیہ کے پیچیدہ مسائل موجود ہین، اور یہ چیزون کی قابلیت اور سعادت کی دلیل سمجھی جاتی تھی، یہ بھی معلوم ہے کہ مسائل علمیہ، محاورات و الفاظ علمیہ کے ذریعہ سے بیان کئے جاتے ہین، اس کا ذکر آچکا ہے۔

(۸)۔ غالب نے کہا ہے۔

کل کے لئے کر آج نہ خست شراب مین
یہ سوئے ظن ہے۔ ساقئ کوثر کے باب مین

اس شعر سے یہ حدیث کون شخص سمجھ سکتا ہے "من شرب الخمر فی الدنیا لم یطعمھا فی الاخرۃ" جو دنیا مین شراب پئے گا وہ عاقبت مین شراب طہور سے محروم رہے گا۔

شارحین غالب مین سے کس کس نے اس حدیث کو اس شعر سے سمجھا ہے؟ دوسرے یہ کہ اس شعر کا مخاطب غائب اور مجہول ہے لہذا شعر کامل نہین کہا جاتا ہے کہ "مومن" کا دیوان بیان تصوف۔ فلسفہ۔ اخلاق سے خالی ہے سب سے پہلے مومن کے اشعار کو تصوف کے نقطۂ خیال سے جانچنا چاہئے۔

تصوف اور مومن

تصوف کے معنی اگر صرف خمریات کے ہین (جیسا کہ آجکل عام طور پر سمجھا جاتا ہے) تو معترضین کا خیال بالکل صحیح ہے، لیکن تصوف کے معنی ان اصطلاحات علمیہ اور جذبات سوز گداز کا نام ہے جن سے تصوف مرکب ہے تو "مومن" کے کلام مین ان کا وجود شروع سے آخر تک ہے۔

تصوف "عشق حقیقی" کے اظہار کا فن ہے، عشق حقیقی عشق مجازی کا پرتو ہے۔

عشق مجازی بیشتر اعمال ردیہ کی طرف لیجاتا ہے تصوف نے اس پر حقیقت کا رنگ چڑھا کر اخلاق کو سنوارا ہے۔

شاعری کے اعتبار سے "جذبات حسن و عشق" مجازی اور حقیقی دونون مین مشترک ہین مثلاً

۱۔ عشق مجازی مین "ایک ہی معشوق کے حسن و جمال پر جان و مال قربان کرنا چاہئے یا ایک ہی محبوب اور معشوق کی صورت عاشق صادق کو ہر جگہ نظر آتی ہے، سوا معشوق کے عاشق کی طرف متوجہ نہین ہوتا۔

عشق حقیقی مین اس کو وحدت وجود "ہمہ اوست" سے ظاہر کرتے ہین

مومن نے اس مسئلہ کو ان الفاظ مین بیان کیا ہے

چارۂ دل سوائے صبر نہین
سو تمھارے سوا نہین ہوتا

دوسرا شعر اسی مضمون کا ہے:۔

عمر ساری تو کٹی عشق بتان مین مومن
آخری وقت مین کیا خاک مسلمان ہونگے

تصوف مین ایک درجہ فنا کا ہوتا ہے جس مین آکر صوفی ہر چیز کو بھول جاتا ہے "مومن" اس مسئلہ کو ان الفاظ مین ادا کرتے ہین

نشۂ الفت سے بھولے یار کو
سچ ہے ایسی بیخودی مین یاد کیا

تصوف مین "عشق و محبت" دوران خون کے ساتھ عاشق کی رگ رگ مین ساری ہوتے ہین۔ "مومن" نے اس کو اس طرح

بیان کیا ہے:-

درد ہے جان کے عوض ہر رگ وپے مین ساری ۔ چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

صوفی جب فانی فی الشیخ ہو جاتا ہے تو گویا اس کو وصل یا وصال نصیب ہوتا ہے یہ درجہ ریاضت کے بعد ملتا ہے "مومن" نے اس مسئلہ کو یون حل کیا ہے:-

فرماتے ہین وصال ہے انجام کار عشق ۔ کیا ناصح شفیق نے مژدہ سنا دیا

تصوف مین معشوق حقیقی کے جلوے کے سوا دنیا مین اور کسی چیز کا وجود نہین۔ "مومن" نے اس کو اس طرح ادا کیا ہے:-

جو نقاب اٹھی مری آنکھون پہ پردہ پڑ گیا ۔ کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشین کا دیکھ کر

تصوف مین شیخ ساقی، شراب کیف محبت ہے، میخانہ خانقاہ ہے کیف محبت کا لطف شیخ کے بغیر حاصل نہین ہوتا، مومن نے اسکو اس طرح بیان کیا ہے:-

مے نہ اتری گلے سے جو اس بن ۔ مجھ کو یارون نے پارسا جانا

حاصل یہ ہے کہ وہ تمام جذبات جو عشق مجازی مین ہوتے ہین عشق حقیقی مین موجود ہین، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو کا ہر شاعر جو فارسی کا متبع ہے اور جذبات عشق اور سوز و گداز رکھتا ہے، اس کے اشعار غزل مین جذبات تصوف کا ہونا ضروری ہے۔ "مومن" کا دیوان ان جذبات سے بھرا ہے تو تصوف" سے خالی کیونکر رہ سکتا ہے؟ صبر و رضا و تسلیم بھی تصوف کی ایک منزل ہے "مومن" نے اس کو اس طرح دکھایا ہے

شب ہجر مین کیا ہجوم بلا ہے ۔ زبان تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

سب کے آخر مین یہ کہ حضرت امیر خسرو کا یہ شعر بھی اپنے اندر تصوف کا رنگ رکھتا ہے:-

گوری سووے سیج پر اور مکھ پر ڈارے کیس ۔ چل خسرو گھر اپنے سانجھ بھئی چو ندیس

یہ شعر حضرت امیر خسرو نے اپنے پیر حضرت سلطان نظام الدین ولیا کی وفات پر ان کے مزار کے سامنے کہا تھا

غرضکہ وصل و فراق، حسن و عشق کے جذبات اور ان جذبات سے جو سوز و گداز پیدا ہوتا ہے وہ تصوف کا عکس ہے۔

فلسفہ "تصوف" کے متعلق جو حال عام غلط فہمی کا ہے وہی "فلسفہ" کا بھی ہے "فلسفہ" کے معنی آجکل اس مہمل شعر کے ہین، جس کی ترتیب نہایت پیچیدہ ہو یا تو بالکل سمجھ مین نہ آئے اگر آئے تو سمجھنے والا اس کے مفہوم سے مطمئن نہ ہو سکے مومن کی غزلون مین اس قسم کا فلسفہ نہین ہے، البتہ علوم حکمیہ طبیعیہ جو اصلی فلسفہ ہین موجود ہیں ان کا ذکر آچکا ہے چند اشعار کا ذکر اس جگہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

مار ڈالا ہمکو جور گردش ایام نے ۔ بڑھ گئی رات اپنی روز حشر کی تقصیر سے

اس شعر مین علم ہیئت بیان کیا ہے

شوق کم ہے نئے اندوہ فزا ہوتا ہے ہائے ہر چیز سے یہ درد سوا ہوتا ہے

طبعیات کا ایک مسئلہ ہے۔

کر علاجِ جوشِ وحشت چارہ گر لادے اک جنگل مجھے بازار سے

حکمت کا مسئلہ ہے:۔

اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

موسیقی ہے، یہ علم بھی علوم فلسفہ مین داخل ہے۔

اخلاق

دیوان "مومن" مین اس کا ذکر اور بیان بھی موجود ہے۔ مثلاً

خودداری کی شکست پر اس طرح افسوس کرتے ہین:۔

اس نقشِ پا کے سجدہ نے کیا کیا کیا ذلیل مین کوچۂ رقیب مین بھی سر کے بل گیا

نازک مزاجی:۔

بات کرنے مین رقیبون سے ابھی ٹوٹ گیا دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیمان ہو گا

غیرت:۔

دیکھ لو شوقِ ناتمام مرا غیر لیجائے ہے پیام مرا

اعترافِ گناہ:۔

دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہون کو مرے تر ہوا دامن تو بارے پاکدامن ہو گیا

اس قسم کے اشعار کثرت سے موجود ہین، البتہ ان کا تغزل سے علیحدہ کرنا اور راز کو سمجھنا صحیح تنقید ہے۔

اصنافِ سخن:۔

"مومن" نے اپنے غزل کی طرح اور "اصنافِ سخن" کی بھی الگ راہ نکالی ہے۔

قصیدہ

علم الادب اور معجم مین قصیدے کی حدود مین ہے کہ "مدح" کو شاندار الفاظ سے مرتب ہونا چاہیے، بازاری اور مبتذل الفاظ سے قصیدہ کا بچنا اولین فرض ہے۔

ممدوح کی مدح مین ایسا مبالغہ نہ ہو کہ وہ "ذم" کی صورت اختیار کرے، ممدوح کی شان اور اپنی حقیقت کو پیش نظر رکھنا بھی قصیدہ گو کا فرض ہے ممدوح اگر "بادشاہ" ہے تو اس کا درجہ کم نہ کرے اور اسقدر بڑھا دے کہ "پیغمبری" یا "خدائی" دیدے۔ قاضی یا امیر کی مدح کرے تو ان کو بادشاہ، کے برابر یا اس سے زیادہ نہ کہے۔

حدود شرعیہ و عقلیہ کا خیال رکھنا بھی قصیدہ گو کے ذمہ ہے۔

جن قصائد مین اس قسم کی پابندی نہین ہوتی اس کے اشعار مقدوح اور مذموم ہوتے ہین، قرآن حکیم اور احادیث

کثیرہ مین اس قسم کے اشعار کی مذمت ہے" مومن" نے ان "خصوصیات" اور "حدود" کو بدرجہ اتم پیش نظر رکھا ہے۔ راجہ چندو لال کی تعریف مین "مومن" نے جو قصیدہ لکھا ہے اس کو اس نظر سے دیکھ لیجئے کہ الفاظ کا ثقل اور "ندرت" قدرت اور علم وفضل کی دلیل ہے کیونکہ "مومن" نے ان سے مسائل علمیہ کو بیان کیا ہے۔

مثنوی چونکہ مسلسل واقعات رطب و یابس کا بیان ہوتی ہے اس لئے واقعات کی تاریخ ہے۔ "مومن" پر جو لوگ یہ الزام رکھتے ہین کہ "ان کی مثنویان متانت سے گری ہوی ہین" ان لوگون نے شاید حضرت جامی کی "مثنوی یوسف زلیخا" امیر خسرو کی "مجنون لیلے" اور نظامی کی "لیلی مجنون" "شیرین خسرو" مین، شب زفاف اور شب وصال کے بیان نہین دیکھے ہین حقیقت یہ ہے کہ شاعر ایسے مواقع کے جذبات بیان کرنا اپنا کمال سمجھتا ہے معانی و بیان کے ماہرین کا قول ہے کہ جو بیان حسن قدرت واقعہ اور فطری جذبات کے مناسب ہوتا ہے اسی قدر اثر انداز فطرت ہوتا ہے۔

"مقامات بدیع الزمان ہمدانی" مین خصوصیت کے ساتھ ایک "مقامہ" اسی بیان مین ہے،

بڑے بڑے محتاط "شاعر" اس صنف مین آکر مجبور ہو جاتے ہین "مومن" کی سادگی دیکھئے کہ وہ اپنے واقعات اور واردات اپنی زبان سے بے کم و کاست بیان کر دیتے ہین، کوئی واقعہ کہین اگر متانت سے گر جاتا ہے تو واقعہ کی نوعیت ہے شاعری کا کیا قصور ہے۔

واسوخت "مومن" نے اس صنف کو اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے، ان کا اصلی سوز و گداز، امنگ، جذبات عشق کیفیات حسن کا خاکہ اس کے اندر ہے، جس شاعر مین یہ جذبات جسقدر زیادہ ہونگے اسی مناسبت سے واسوخت "سوز و گداز" کا مرقع ہوگا۔

رباعیان "مومن" نے رباعیان کم کہی ہین، چونکہ رباعیان واردات عشق و حسن کے بیان کی چیز نہین اس لئے ان کے رنگ مین "مومن" کی جھلک نمایان نہین۔

معمے اور تاریخین دونون چیزین "مومن" کی ذہانت اور طباعی کا خط و خال ہین۔ "علوم ادبیہ" مین ان کا بھی خاص وزن ہے، "مومن" کے معمون مین حضرت امیر خسرو کی "ذہانت" اور ہمہ گیری کا رنگ نظر آتا ہے۔

مرثیہ محرک "جذبات شاعری" "مومن" کی "محبوبہ دلنواز" کا انتقال ہوتا ہے اس کا مرثیہ "مومن" ایسا شاعر جیسا لکھ سکتا ہے "مومن" نے لکھ کر شاعری مین اضافۂ عظیم کیا ہے، اس کے چند شعر دیکھ لیجئے:۔

دل کی طرح سے یہ بھی چلی جان کو کیا ہوا — دم مین نہین ہے دم مرے جانان کو کیا ہوا
سر پیٹتا ہے شانہ پڑا دونون ہاتھ سے — کیا جانئے اس کی زلف پریشان کو کیا ہوا
بیٹی ہے اپنا خون دل افسوس سے حنا — اس دست رشک پنجۂ مرجان کو کیا ہوا

دل مین شکن ہے زلف مسلسل کہ ہر گئی — برہم ہے حال کا کل پیچان کو کیا ہوا
گردش پر اپنے ناز ہے پھر روزگار کو — اس چشم رشک فتنۂ دوران کو کیا ہوا

خیال کیجئے کہ «محبوب» کا ماتم ان سے زیادہ موزون اور دلدوز الفاظ مین کیونکر ہو سکتا ہے۔

«مومن» نے «مرثیہ» کے لئے بھی نئی راہ نکالی ہے، اسکی مثال دنیاے شاعری مین مشکل سے ملے گی۔

معاصرین

«مومن» اس معاملے مین بھی منفرد ہین کہ ان کے معاصرین ایسی ہستیان تھین جن پر شاعری کو ناز ہے۔ ہمارے خیال مین «مومن» کے اس اہتمام کا سبب معاصرین تھے وہ سمجھتے تھے کہ جب تک شاعری مین کوئی خاص رنگ نہ ہوگا ان کے سامنے فروغ پانا مشکل ہے۔ تذکرہ نویسون نے ان کے نام حسب ذیل دئے ہین:-

غالب - ذوق - آزردہ - شیفتہ - صہبائی، عیش - عارف - درخشان، علائی - سالک - بیتاب - حضور - برق میر صاحب - شور - آزاد - تائب - تسکین - تشنہ - حزین - شہرت - عزیز - رقم - تعشق - تابش - تمکین - عاشق - اوج نازنین - تصویر - قلق - کامل - تجلی - جوش - یکتا - تنویر - جعفری - بسمل - بیدل - شوق - تسلی - نالان - ماہر - جنون - اشکی - حشمت - ایجاد - رسا - رفعت - قناعت - حیا - ظہیر - صابر - داغ - احسان - یہ وہ معاصرین ہین جو «مومن» کے ساتھ ایک مشاعرے مین شریک ہوے تھے جس کا ذکر فرحت اللہ بیگ صاحب نے اپنے مضمون مین کیا ہے۔

تلامذہ

حسب ذیل تلامذہ کا ذکر امتیاز احمد صاحب نے اپنے مضمون «مومن کی اردو شاعری»، مندرجہ «نگار» جنوری سنہ ۲۸ء مین کیا ہے:-

وحشت - مضطر - کرم - تسکین - یاس - اکبر - عظمت - شیفتہ - آشفتہ - آہی - قلق - بیتاب - بیمار - تسکین - ہتور برق - راحت، راسخ - سالک - صاحب - ظہور - شورش - صفیر - قیصر - کاظم - نسیم - وحشت۔

ان تلامذہ مین سلیم - شیفتہ - تسکین - استادان فن ہین ان پر «مومن» کو ناز تھا

وفات

ہندوستان کے اس مایۂ ناز شاعر نے جو شاعری اور تغزل کا امام تھا ۵۱ برس کی عمر مین کوٹھے سے گر کر سنہ ۱۲۶۸ھ مین وفات پائی۔

۵ مہینے پہلے خود ہی تاریخ کہی تھی «دست و بازو شکست» اس مین پورے سنہ ۱۲۶۸ھ نکلتے ہیں۔

دلی دروازے کے باہر حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رح کے مقبرے کے پاس دفن ہوے۔

جوہر کلام

یون تو «مومن» علیہ الرحمۃ کا پورا دیوان ایسے نشترون کا مجموعہ ہے جو رگہاے دل کو چھیڑ کر سراپا درد بنا دیتے ہین، لیکن ذیل کے اشعار وہ ہین جو دنیا کی تمام زبانون کے مقابلے مین ایشیائی شاعری کے لئے فخر و مباہات کی دلیل بن سکتے ہین۔ اور لعل و جواہر مین نہین بلکہ ان سے زیادہ قیمتی چیز یعنی دل کے ٹکڑون مین تولے جا سکتے ہین:-

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
مین کوچۂ رقیب مین بھی سر کے بل گیا

درد ہے جان کے عوض ہر رگ و پے مین ساری
چارہ گر ہم نہین ہونے کے جو درمان ہوگا

سچ ہی سہی آپ کا پیمان وے
مرگ نے کب وعدۂ فردا کیا

نہ مانونگا نصیحت پر نہ سنتا مین تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات پر ناصح تمھارا نام لیتا تھا

چارہ گر جنت مین اس کے آستان سے لیگئے
ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر پٹکا کیا

خدنگ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے
یہی ارمان اک مدت سے جی مین تھا نکل آیا

گور مین بھی جوشِ غم دل سے نہ نکلا ہائے ہائے
آپ ہی مین ہم نہین جب کنج تنہائی ملا

ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر مین چلا گیا
اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا

دمِ آخر بھی تم نہین آتے
بندگی اب کہ مین چلا صاحب

اتنی فرصت دے ستمگر کہ پہونچ جائے اجل
دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ

تارے کے بدلے گن کے شب تار کاٹ دی
ایامِ ہجر مین مرے کیا کام آئے داغ

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب تک آگئی
حال پہونچا یان تلک اور تم نہ آئے یان تلک

دھوان اُٹھتا ہی دل سے وقتِ گریہ
بجھا دی تو نے کیا اے چشمِ تر آگ

عشق نے یہ کیا خراب ہمین
کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمین

چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیرِ زلف سے
دیوانہ ہون کہ چارۂ سودائے دل کرون

کیا شکوہ جفائے آسمان کا
مین آپ کو دور کھینچتا ہون

توبہ گنہ عشق سے فرماے ہے واعظ
یہ بھی کہین دل دیکے گنہگار ہوا ہے

مین اگر آپ سے جاؤن تو قرار آجائے
پھر یہ ڈرتا ہون کہ ایسا نہ ہو یار آجائے

داغ خون سے میرے وہ حیران ہوئے
دامن اُلجھا ہے گلِ بیجا ر سے

چھٹ کر کہان اسیرِ محبت کی زندگی
ناصح یہ بندِ غم نہین قیدِ حیات ہے

میرے تغیرِ رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقین
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار صحیح

وہ آئے ہین پشیمان لاش پر اب
تجھے اب زندگی لاؤن کہان سے

یارو کسی صورت سے تو احوال بتادو
دروازے پر اس کے میری تصویر لگادو

علم عروض اور مومن

عام طور پر جہلا میں مشہور ہے کہ "طبع موزوں را عروض و قافیہ در کار نیست" یہ مصرعہ ان لوگوں کیلئے باعثِ تسکین ہے جو فنِ شعر یا علم عروض سے واقف نہیں لیکن شاعری میں استادی کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو شاید یہ معلوم نہیں کہ کسی چیز کا جہل اس کے عدم کو لازم نہیں کرتا، وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ آجکل بیشتر خرابیاں فنِ شعر و علم عروض میں نظر آتی ہیں، نئی نئی بحریں نئے نئے اسلوب تراشے جاتے ہیں، مسلمات سے اعراض اور روگردانی کیجاتی ہے وہ "کفر مذہب شعر" اور "شرک فی ملت العروض" ہے، ایسے لوگ ٹھوکریں کھاتے ہیں ان کو پتا نہیں چلتا، اپنی بدمذاقی کو مذاق اور جہل و نادانی کو مہارت سمجھتے ہیں وہ یہ نتیجہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اپنی بدعتوں سے، "ملتِ شاعری" کو برباد کر رہے ہیں، اس طرح رفتہ رفتہ، زبان اور ادب تباہی اور بربادی کی طرف جا رہی ہے۔

"عوام" کا ذکر تو ایک طرف اس مرض میں اکثر خواص بھی مبتلا ہیں، بڑے بڑے مشہور اساتذہ ایک غزل کے متعدد اشعار مختلف بحروں میں کہہ جاتے ہیں اور ان کو اپنی اس غلطی کا احساس تک نہیں ہوتا۔

بعض سابق اساتذہ نے بھی جو علم اور فن سے بے بہرہ تھے فاش غلطیاں کی ہیں ان کے تفصیلی ذکر سے فتنے کا جگانا مقصود نہیں "حکیم "مومن" کی ہمہ گیری فنِ شعر اور علم عروض سے بھی تشنہ کام نہیں رہی ہے، اس لئے حکیم صاحب نے اس میں بھی استادانہ احتیاط برتی ہے۔ ان کے مذاق کی صحت اور خداداد مناسبت و موزونیٔ طبع نے وہ بحریں غزلوں کے لئے استعمال کی ہیں جو نہایت شگفتہ، رواں اور لبریز ترنم ہیں۔ ان میں اکثر بحریں وہ بھی ہیں جو ہندی۔ اردو۔ فارسی میں یکساں دلپذیر معلوم ہوتی ہیں

تفصیلی بحور مفردہ

دو قسم کی بحریں عام طور پر مستعمل ہیں۔ مفرد و مرکب بحور مفردہ علوئے مومن نے حسب ذیل بحروں میں دادِ مذاق دی ہے۔

بحر ہزج۔ اس کے ارکان "مفاعیلن مفاعیلن، مفاعیلن، مفاعیلن، چار بار ایک مصرعہ میں، اور بارہ مرتبہ پورے شعر میں آتے ہیں۔

یہ بحر عربی اغانی میں بکثرت رائج ہے۔

اسے خو پڑ گئی ہے بیطرح زانوے جانان کی　　یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہریگا

اس غزل کے مصرعہ اول میں "زانوے جان کی" میں ترتیب ترنم ہے
دوسرے مصرعہ میں الفاظ "رکھوں نہ ٹھہریگا" میں ترنم اور اتار چڑھاؤ موجود ہے۔ یہ غزل ہندی راگ بھیروین میں اصلی حالت کے ساتھ گائی جا سکتی ہے

اس بحر میں عروض و ضرب دونوں مبتغ بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ مثلاً

فلک ظالم بُری قسمت جہان دشمن وہ بت بیدرد　　بتاؤ تو بھلا پھر کس سے جاکر میں کروں فریاد

کلیمِ فقر کو کیون دوش پر ہم ڈالتے اے رند — اگر کملی سے بہتر جانتے کمخوابِ پشمینہ کو

رند کے شعر کے پہلے مصرعہ مین تسبیغ ہے اور دوسرا سالم ہے۔

فن کے اعتبار سے یہ نقص نہین لیکن احتیاط کی روسے قادر الکلام شعرا اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہین! "مومن" نے بھی اس سے گریز کی ہے۔ اس بحر مین اور بھی اضافات ہین جو طبیعت کو پسندیدہ معلوم نہین ہوتے "مومن" نے اس سے کنارہ کشی کی ہے۔

یہ بحر اس طرح بھی مستعمل ہے۔ غالب نے کہا ہے:۔

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا — درد کی دوا پائی دردِ لا دوا پایا

مومن نے اس مین بھی طبع آزمائی کی ہے:۔

روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دیگا — ان کو شوقِ آرائش دل ہے بدگمان اپنا

اس کو مثمن اشتر کہتے ہین۔

"مومن" نے یہ "زحاف" ترنم کی وجہ سے اختیار کیا ہے، اس کے ہر ٹکڑے مین زیر و بم موجود ہے، ہزج کی شگفتہ صورت مثمن اخرب مکفوف محذوف بھی ہے۔ مومن نے کہا ہے

تھی نوحہ زنی دل کے جنازے پہ ضروری — شاید کہ وہ گھبرا کے سرِ بام نکلتا

ہزج مسدس مقصور الآخر مین بیر ممنون کہتے ہین۔

نہین دیتی دکھائی صورتِ زیست — غضب صورت ہون آیا دیکھ کر آج

لفظ "زیست" اگرچہ مفاعیل کی تقطیع کی روسے باعتبار فن درست ہے لیکن بادی النظر مین "ت اور س" زائد معلوم ہوتے ہین اور نظر کو دھوکھا ہوتا ہے کہ دو نون حرف ساقط ہین۔ "مومن" اس سے بچتے ہین

ہزج مسدس اخرب مقبوض:۔

مومن:۔ کیا شکوہ جفائے آسمان کا — مین آپ کو دور کھینچتا ہون

بحر رمل:۔ ارکان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن ایک مصرعہ مین پورے شعر مین دو بار۔

یہ بحر اردو مین سالم مستعمل نہین، اس لئے یا تو محذوف آتی ہے یا مقصور مقطوع یا مشعث یا مسبغ:۔

مومن:۔ اک نگاہِ سرسری دیوانہ ہمکو کر گئی — گردشِ چشمِ پری پر ساحرِ ہنگامہ تھا

کہہ رہا ہے کون ہمسے بے شکیبائی ملا — مجھ کو قسمت سے نصیحت گر بھی سودائی ملا

رمل کی ایک صورت غالب نے یہ بھی جائز کی ہے۔

غمِ شبیر مین ہون سینہ یہان تک لبریز — کہ رہین خونِ جگر سے مری آنکھین رنگین

پہلے مصرعہ مین بحر ہزج کی "ز" کی وہی شکل ہے جس کا ذکر ہزج مین آچکا ہے۔

رمل مثمن مخبون محذوف مسکن:۔

مومن:۔ اہلِ بازار محبت کا بھی کیا سودا ہے عشرتِ عمر ابد قیمت غم دیتے ہین

رمل مسدس مقصور۔

مومن نشہ، الفت مین بھولے یار کو سچ ہے ایسی بیخودی مین یاد کیا

بحر رجز۔ مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

مومن دنرات فکرِ جور مین یون رنج اٹھانا کب تلک مین بھی ذرا آرام لون تم بھی ذرا آرام لو

مومن نے بالکل سالم استعمال کیا ہے۔

بحر وافر۔ اُردو مین مستعمل نہین

بحر متقارب۔ فعولن فعولن فعولن فعولن

اس بحر مین "مومن" نے مثنویان زیادہ کہی ہین، کیونکہ یہ بحر مثنویون کے لئے زیادہ موزون ہے، اور شعرائے اس مین غزلین بھی لکھی ہین، یہ مومن کی حکمت اور دانائی ہے کہ اس نے "بحور" کو اصلی جگہ استعمال کیا ہے۔

اس بحر مین فعولن ۸ بار ایک مصرعہ مین آتا ہے، میر نے استعمال کیا ہے، مومن نے غزل کے لئے اس کو مناسب نہین سمجھا ہے، متقارب مثمن مقبوض اثلم۔ اس مین ترنم بھی ہے اور سلاست بھی مومن نے اس کو لیا ہے

عدم مین رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکر ستم نہ ہوتا جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو دم نہ ہوتا

اس وزن کو مولانا جامی نے سولہ ارکان سے مرکب کر کے جاری کیا ہے جو صرف غزل کے لئے مخصوص تھا، مومن نے اس کو اردو مین لاکر ترنم کے ساتھ شگفتہ کر دیا۔ ہے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ترنم ن۔ اور رم بھی ہے ان کی ترتیب زیر و بم کے ساتھ مومن نے اکثر استعمال کی ہے۔ یہ علٰحدہ مسئلہ ہے اس لئے، صرف اجمالی بیان کافی ہے۔

بحر مضارع۔ مفاعیلن فاعلاتن مفاعیلن فاعلاتن

مضارع مثمن اخرب:۔

مومن۔ اللہ رے ناتوانی جب شدتِ قلق مین بالین سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہونچا

اس مین عروض وضرب مسبغ بھی آتا ہے یعنی فاعلاتن کی جگہ فاعلان میر کہتے ہین

رہئے بغیر تیرے اے رشکِ ماہ تا چند آنکھون مین یون ہمارے عالم سیاہ تا چند

ن۔ د۔ اس مین زائد معلوم ہوتے ہین۔ مومن نے اس سے احتراز کیا ہے

مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف:۔

مومن　　سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی　　لو جان کا عذاب ہوا دل کا تھامنا

بحر مجتث - مس تفع لن فاعلاتن مس تفع لن فاعلاتن

مجتث مثمن مخبون محذوف :-

مومن　　لگے خدنگ جب اس نالۂ سحر کا سا　　فلک کا حال نہ ہو کیا مرے جگر کا سا

بحر سریع - مومن نے اس بحر کو بھی مثنوی کے لئے مخصوص کیا ہے۔

بحر خفیف - خفیف مسدس محذوف مسکن :-

مومن :-　　غیر چھڑکے ہے زخم دل پہ نمک　　اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا

عیوب عروض عروض مین حسب ذیل عیوب ایسے ہین جو شعر کو شعر رہنے نہین دیتے بشرطیکہ فہم اور ادراک مین نقص نہ ہو۔ مومن نے سختی سے احتراز کیا ہے۔

۱- تخلیع- نقلی ارکان اور ناپسندیدہ وزن سے مرکب شعر اس تحت مین آتا ہے۔

۲- تحدید- ایک بحر کے اشعار مین جب اختلاف ہو تو سخت عیب ہے اس کے لئے صحیح مذاق اور مہارت کی ضرورت ہے اکثر اساتذہ نے دھوکھا کھایا ہے۔

مولوی نجم الغنی صاحب رامپوری اپنی کتاب بحر الفصاحت مین لکھتے ہین کہ "عظیم شاگرد شاہ حاتم نے بحر ہزج کے ساتھ بحر رمل کو ملا دیا تھا، اس پر انشا اللہ خان نے بر سر مشاعرہ اعتراض کیا تھا

مشہور استاد وحشت نے ایک شعر لکھا ہے۔

سنبھالے ہین مرے نالون نے بھالے　　فلک اپنی پشت خمیدہ کو تھامے

اس شعر کے دونون مصرعہ مختلف ہین، پہلا ہزج مسدس دوسرا متقارب مثمن ہے غالب نے ان چار مصرعون مین غلطی کی ہے۔

ہستی کے مت فریب مین آجائیو اسد　　عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

دیار دوسرا ہے کب دہر مین بتا تو　　پھر کیا یہ تو تو مین مین ہے کیا قیل و قال ہے

تیسرے مصرعہ کا وزن تینون سے مختلف ہے۔

۳- اختلاف غیر معتاد-　یعنی عروض محذوف کا استعمال بحر طویل مین اور مقطوع کا کامل مین نادرست ہے۔

اس تفصیلی بیان کا مقصد یہ ہے کہ کسی شاعر کی تنقید کے لئے ضروری ہے کہ شاعر کے خصوصیات سمجھ لئے جائین، اور اس کے ہر جزو اور ہر مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی جائے۔

"مومن" جن علوم و فنون" کے سرچشمہ اور مخزن تھے ان کے اشعار مین ان علوم پر بحث کرنا تنقید نگاری کا فرض ادا کرنا ہے۔

مجھ کو افسوس ہے کہ مین نے یہ فرض اجمالاً ادا کیا ہے، فرصت ہوتی تو مسائل مذکورہ کے ہر جزو پر کافی بحث کرتا تاہم جو کچھ میری فرصت نے مجھے کام لیا ہے اس پر خدا کا شکر ہے کہ اردو مین تنقید نگاری کے لئے راہ نکالنے کی کوشش کی ہے بیان موضوع سے جو مجھ کو سیری نہین ہوی وہ صرف اس لئے کہ طالب علم ہون مشہور ہے کہ دو شخص سیر نہین ہوتے "طالب علم اور طالب مال"

اثنان لا یشبعان طالب علم وطالب مال

مومن کے موئدین

"مومن" پر جن لوگون نے اعتراضات عائد کئے ہین، یا جن ارباب قلم نے کسی وجہ سے اس یکتا شاعر کے اوصاف پر پردہ ڈالا ہے ان کی نیتون پر کوئی تعجب نہین، ایک شخص کسی "بھلائی" کو کسی وجہ سے پسند نہین کرتا اور اس کے خلاف اظہار خیال کرتا ہے، دلیلین پیش کرنے کی سعی کرتا ہے تعجب ان صاحبان ذوق کے اعمال پر ہے جو باوجود تائید و تعریف اپنے مدعا کے ظاہر کرنے مین قاصر رہے ہین۔

جناب نیاز صاحب کا خدا بھلا کرے کہ اپنے موقر رسالہ "نگار" کا مومن نمبر نکال کر مومن کے ساتھ انصاف کرنے کی اور صحت مذاق کی راہ نکال دی، اب یہ ملک کے ذمہ ہے کہ اس پر اکتفا کرے یا وسعت اور اضافے سے کام لے۔

ہونا تو یہ چاہئے کہ انتخاب کلام مومن کا ترجمہ انگریزی میں کیا جائے اور ایشیا بالخصوص ہندوستان کا یہ گوہر گرانمایہ یوروپ کے سامنے لایا جائے

ہم نے مومن کا موازنہ شکسپیر سے کرکے اس خیال کی ابتدا کردی ہے، فرصت ملی تو انشاءاللہ تعالی اس تجویز کی تکمیل بھی ہوگی۔

ابتدا مین ہم نے "صنائع و بدائع" کے سلسلے مین جو مضمون لکھا ہے وہ تمام تر منقول ہے۔ اور بحر الفصاحت سے ماخوذ ہے اگرچہ ہم کو اس سے کامل اتفاق نہین ہے بعض "جگہ" مولف "سے تسامح ہوا ہے تاہم صنائع و بدائع" کا مرتب بیان ہے، اس مین ایک نقص یہ بھی ہے کہ "مومن" کے جو اشعار مثال مین پیش کئے گئے ہین وہ اس حیثیت سے موزون تر نہین، دیوان مومن مین ایسے اشعار بھی ہین جو ان صنائع کے ساتھ جذبات تغزل کا نمونہ ہین وہ پیش نہین کئے گئے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مولف کا منشا صنائع و بدایع کا بیان تھا "مومن" کے کلام پر تنقید مد نظر نہ تھی۔ قصائد مومن "پر بھی جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بھی تشنہ ہے۔ مثنوی، رباعی، تاریخ کا یہی حال ہے، انشاءاللہ ہم تحقیق کے ساتھ تمام اصناف پر کسی وقت روشنی ڈالیں گے۔

کیفی چریاکوٹی

رسالہ "جن"

اگر آپ نے ابھی تک نہیں خریدا تو اب توجہ فرمائیے جو جو مضامین ان میں نکل چکے ہیں اور نکلنے والے ہیں وہ آپ اپنی نظیر ہیں اس رسالہ سے زیادہ دلچسپ رسالہ کوئی نہیں ہو سکتا نمونہ مفت (مل سکتا ہے) سالانہ چندہ عہ
۶ ماہ کی خریداری منظور نہیں (ہو سکتی)

"مینیجر نگار"

سرزمین دکن کی ایک دلنواز شام

''رخ بہ تماشاگہ ناز آورم''

میرے اور خدا کے درمیان '' عزم و فسخ عزم '' کا ایسا عجیب و غریب معاملہ قائم ہے کہ اگر مین سراپا '' عبودیت '' بننا چاہتا ہون، تو وہ میرے اندر '' شانِ کبریائی '' پیدا کر دیتا ہے۔ دعوائے خدائی کا خیال کبھی آیا نہین، ورنہ ممکن ہے وہ اس صورت مین '' بندگی '' کی حقیقت سے آشنا کر دیتا۔

مہینون سے '' فرخندہ بنیاد حیدرآباد '' پہونچنے کا عزم کر رہا تھا اور '' ماورائے سرحد ادراک '' سے برابر '' شکست و گست '' کا سلسلہ جاری تھا، یہانتک کہ ایک دن گھبرا کر بغیر کسی ارادہ کے دفعتہً رختِ سفر استوار کیا اور اسٹیشن پہونچ گیا۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اگر ایک گھنٹہ قبل بھی اُن فرشتون کو معلوم ہو جاتا جو مولویون کے بیان کے مطابق تسمہ پا مخلوق کی طرح ہر وقت انسان کے شانہ ودوش پر سوار رہتے ہین، تو مین کبھی کامیاب نہ ہو سکتا۔ لیکن مین نے '' ملاءِ اعلیٰ '' تک اس خبر کے پہونچنے کا موقعہ ہی نہین دیا اور اس طرح میری حریفانہ چال کام کر گئی، تاہم یہ ضرور ہوا کہ تیسرے دن بجائے صبح کے یہان شام کو پہونچ سکا اور اس طرح گویا پورے بارہ گھنٹے کی تعویق کا جرکا آخرکار دے ہی دیا

قربان نگاہ تو شوم باز نگاہے !

میرا ارادہ یہان زیادہ سے زیادہ بیس دن قیام کا تھا، لیکن آج پورے ۲۸ دن '' نجد و غزالانِ نجد '' سے جدا ہوے ہو گئے ہین اور ہنوز واپسی کی کوئی تاریخ متعین نہین کر سکتا۔ اپنی '' بے پال و پری '' کے ماتم کا عادی نہین اس لئے سوا اس کے کیا کہون کہ

خدارا این چہ کافر ماجرائی ست !

ہان، خدا ہی سے اس کی '' کافر ماجرائی '' کا گلہ کرتا ہون اور '' کراماً کاتبین '' اور '' علماءِ کرام '' دونون کے اندیشہ سے آزاد !

مین اس وقت کوئی بسیط رویداد قیام و سفر کی قلمبند کرنے نہین بیٹھا اور نہ اس مختصر مقالہ مین اپنے اُن تمام تاثرات و نتائج نقد و نظر کو پیش کرنا چاہتا ہون جو یہان مجھے حاصل ہوے بلکہ مقصود صرف اُن چند ساعتون کی یاد قائم کرنا ہے جن کا نام میری

انشا مین " نشاط زمزمہ و لذتِ جگر خواری " کے سوا کچھ نہین ہو سکتا۔

جب مین اپنے تاثرات دکن کا تجزیہ کرتا ہون تو مین انہین قلب و روح کی مختلف کیفیات سے متعلق پاتا ہون، مثلاً جس وقت مین اپنے میزبانِ عزیز جناب ہوش بلگرامی کے صمیمی خلوص اور اُن کی " ایثارانہ " اداؤن کا خیال کرتا ہون تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جذبۂ اعتراف کی فراوانی مجھ سے صرف سکوت کی طلبگار ہے اور انسانی الفاظ کی تعبیر ناقص پر کسی طرح راضی نہین، یا جب مین " یمین السلطنت راجۂ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر صدرِ اعظم دولتِ آصفیہ " کے خسروانہ الطاف و کرم پر غور کرتا ہون تو میری رُوح بے اختیار " دوزانو " ہو جاتی ہے اور مین اخلاقِ بلند کی اس " ہیکلِ مقدس " کی پرستش پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہون، یا اسی طرح جب دوسرے امراء کبار و احباب دکن کے التفاتِ فراوان پر نگاہ ڈالتا ہون جنھون نے یکسر جذبۂ خلوص و صداقت سے مجبور ہو کر میری پزیرائی کی تو مین اپنی خوش بختی پر ناز کرنے لگتا ہون اور اسی کے ساتھ " بے مائگی " پر افسوس کہ اس کے اعتراف کی بھی قدرت مجھے حاصل نہین۔ بہر حال ان تمام کیفیات کے تفصیلی اظہار کو کسی صحبت آئندہ پر موقوف رکھتے ہوئے، اس وقت مین صرف اُس ایک شام کا ذکر کرنا چاہتا ہون جس کو ایک طویل و خنک رات مین تبدیل کرنے کے لئے ایک شخص اپنی زندگی کے بہت سے قیمتی دن دینے کے لئے آمادہ ہو سکتا ہے۔

آسودہ شبے باید و خوش مہتابے
تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

نواب فرخندہ نواز جنگ بہادر (جو نواب تازین کے نام سے معروف ہین) یہان کے اُن مخصوص امرا مین سے ہین جو اپنے ذوقِ سلیم و فراخ حوصلگی کے لحاظ سے دیرینہ روایات کے مالک ہین، اس لئے کیسی سعید و مبارک ساعت تھی جب نواب صاحب ممدوح نے مجھے اپنے دولتکدہ پر دعوت دی اور دعوت بھی وہ

" کہ خیالش دہد آئینۂ جان را صیقل "

یعنی ——— " تھی جنت نگاہ بھی فردوسِ گوش بھی "

نواب صاحب کا قصر بلدہ کی آبادی سے باہر کھلی ہوئی فضا مین واقع ہے اور حسنِ تزئین کے ساتھ اس کو رکھا جانا، وہ صرف مادی ذرائع سے ممکن نہین جب تک انسان کا جمالیاتی ذوق پوری طرح تربیت یافتہ نہ ہو۔ بلند کوٹھی کے سامنے وسیع فضا، درختون کے کنج، ان کے درمیان ایک وسیع لبریز حوض، درختون سے چھن چھن کر، حوض کے پانی سے نکھر نکھر کر آنے والی بجلی کی ضو، یہ سب اور ان مین سے ہر چیز اپنی جگہ اس قصر کی فضا مین " رومان " پیدا کرنے کے لئے کافی " سرمایۂ حیات " اپنے اندر رکھتی تھی، لیکن نواب صاحب کے التفاتِ فراوان کو اس سے زیادہ ظلم کرنا منظور تھا، اس سے زیادہ

ستم توڑ نا مد نظر تھا، چنانچہ وہ سب کچھ گزرتا رہا جو ایک جان حزین پر " حسن و شباب " کے حضور مین گزرنا چاہیئے۔

فریاد ز بیچارگی و خستہ درونی !

مین جس وقت موٹر سے اُترا تو میرے خیر مقدم کے لئے تنہا نواب صاحب آگے نہین بڑھ رہے تھے بلکہ اُن کی معیت مین کوئی اور بھی تھا ——— " ہمچو نسیم سحری در چمن " اور مین اپنی جگہ ششدر و حیران کہ

" کس کے استقبال کو جی تن سے نکلا جائے ہے "

بڑھنے والے بڑھتے رہے، کھینچنے والے کھینچتے رہے، لب فرش تک تکلیف یا رنجہ کی گئی، فرق ناز تک ساعدِ سیمین کو زحمت جنبش دی گئی، اُدھر سر سلام کے لئے جُھکا کہ یہ رسمِ خیر مقدم تھی اور اِدھر ذبح و قتل کے لئے کہ میرے مذہب مین اسے رسمِ شہادت کہتے ہین

سر از ین تیغ بُردن آسان نیست

آہ، منظرِ خمِ سلام کسے

اس وقت اس تمام منظر مین یہ ہستی رعنا وہی کیفیت رکھتی تھی جو طرۂ دیہیم مین سب سے زیادہ خوش آب موتی کی ہوتی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ یہ صرف نگاہ کو خیرہ کرتا ہے اور وہ عقل و ہوش کو، اس سے صرف ضو پیدا ہوتی ہے اور اُس سے بجلیان، یہ ایک جنس ہے جو لاکھ گران ہونے پر بھی ارزان ہے اور وہ ایک جوہر ہے جس کی ارزانی بھی جان ناتوان پر صد ہزار گرانباری احسان ہے،

جلوہ گرے آفت نظارۂ

برق زمثال وے انگارۂ

پرچم نور کی طرح لہراتی ہوئی، سرو زرین کی طرح لچکتی ہوئی بڑھی — واپس ہوئی تو موج ہوا خرام ناز سے گل در آغوش تھی اور بزم، جلوۂ رنگین کے گلال و عبیر سے معمور !

جلوۂ گل مشعلہ دارِ رہش — فرّ ہما گرد و غبار رہش

در نظر از شوخی اعضائے او — بود چمن خیز سراپائے او

رنگ گل آئینۂ دیدار او — موج پری جوہر رفتار او

عالم جذبات مین " شاہد و شعر و شباب " کا جو مرتبہ ہے، وہ محتاج بیان نہین —، کہ ان مین سے ہر چیز اپنی جگہ خدائی کا دعوی کرنے کی اہلیت رکھتی ہے، چہ جائیکہ ان سب کا اجتماع ایک ہی ہستی مین، ایک ہی پیکر ناز مین اور وہ بھی نگاہون کے قریب، دستِ شوق سے متصل !

جہانے مختصر خواہم کہ در وے — ہمین جائے من و جائے تو باشد

سازکے تارون کو چھیڑ اگیا، ایک بالون کو بڑھا کر زرکار صندلی ساری کا پلو بجلی کی روشنی مین اس پر ڈالا گیا، گورے گورے ہاتھ کہنیون تک عریان کئے گئے، چہرہ پر ہلکا سا تبسم، "چو موجِ بادہ در مینائے رنگین" پیدا ہوا، مست و مدہوش آنکھون سے "نیم نگاہانہ" جائزہ بزم کا لیا، بنکھڑی ایسے لبون مین جنبش پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ ایک ایسی صدا فضا مین پھیلی کہ—

"فتاد سامعہ در موجِ کوثر و تسنیم"

یہ ایک چھریرے جسم کی بلند بالا "مخلوق" تھی، جس کے اعضا کا تناسُب، رنگ کی شگفتگی، چہرہ کی شادابی اور سب سے زیادہ "وہ چیز" جو بار بار شانہ سے آنچل کو سرکا دیا کرتی ہے، اُس موسم کی خبر دے رہی تھی جس کے متعلق اگر رایون مین اختلاف ہو سکتا ہے تو صرف اٹھارہ بیس کا اس کے کتابی چہرہ کا ہر خد و خال وہی موزونیت رکھتا تھا جو یونان کے کسی "صنمی مجسّمہ" مین کبھی پائی جاتی تھی، یہانتک کہ اگر کبھی وہ متانت و سنجیدگی کے ساتھ کچھ سوچنے لگتی تو حقیقتاً ایک "مرمرین بُت" ہی معلوم ہوتی تھی، یا پھر کوئی ایسی دیوی جس کے سامنے عشق کی "تھرتھری" جذبات پرستش کی "کپکپی" مین تبدیل ہو جاتی ہے——

وہ جس وقت نغمہ کے بول کو اپنے اعضا کی حرکت و جنبش مین منتقل کرکے دو چٹکیون سے ریشمی رومال کو تان کر چہرہ کے سامنے لاتی اور اپنی مخمور آنکھون کی ایک "گریزپا" جھلک دکھا کر گردن کو موڑتی ہوئی نگاہین پھیر لیتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ اس وقت کائنات جنبش مین ہے اور کلیجہ اچھل کر منہ تک آجانے کے لئے بیتاب! یقیناً وہ فن موسیقی کی زبردست ماہر نہ تھی، اس کی آواز مین کوئی غیر معمولی دلکشی نہ تھی، لیکن اس کا کیا علاج کہ اس کے "موسم" مین بجلیان بھری ہوئی تھین، اس کی آنکھون مین جادو تھا اور اس کی زندگی کا یہ بدترین پہلو بھی کہ وہ بازار کی "ایک جنس کم ارز" ہے دل کو گوارا تھا ہر چند یہ صبر آزمائیان صرف تین گھنٹے تک قایم رہین لیکن اسی قلیل فرصت مین ہمارے بعض احباب کو وہ "عشق کہن سال" بخش گئین

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے

اس صحبت کے اختتام سے مجھے یک گونہ مسرت تھی کہ آزمایش و ابتلا کا وقت بخیر گزر گیا، لیکن مین اپنے میزبان گرامی کی اس ستم ظریفی سے بے خبر تھا کہ وہ رسم الوداع مین ایک آخری لیکن حد درجہ بے پناہ حربہ مجھ پر صرف کرنے والے ہین—— یقیناً مین اُس لمحہ کی لذت یا تکلیف کے بیان سے قاصر ہون اور نہ اس وقت کی تصویر پیش کر سکتا ہون جب کسی کا سر سامنے جھکا ہوا تھا اور کوئی اپنے دست سیمین سے (جو خود پھولون کا گجرا معلوم ہوتے تھے) گلے مین ہار ڈال رہا تھا وہ ہار جو بجائے پھولون کے گویا سفید انگورون سے گوندھا گیا تھا۔

مین سمجھا تھا کہ سرزمین دکن کی یہ پہلی اور آخری دل پرسی تھی جو میرے لئے روا رکھی گئی، لیکن جب اس کے تیسرے روز جناب نواب قدرت نواز جنگ بہادر نے مجھے مدعو کیا تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی کیونکہ یہان بھی وہی قیامت برپا تھی جو اس سے قبل مجھ پر گزر گئی تھی نواب قدرت نواز جنگ بہادر اعلیٰ حضرت حضور نظام کے برادر نسبتی ہین اور خاندان شاہی کے نہایت ہی محترم و معزز امیر ہین

لیکن ان تمام خصوصیات سے زیادہ جس خصوصیت نے مجھے اپنی طرف کھینچا، وہ ان کی بلندی اخلاق اور سلامت ذوق ہے، جو مشکل ہی سے اس جماعت کے افراد میں کہین نظر آتی ہے - دنیا مین بعض لوگ ایسے ہوتے ہین جن کو دیکھتے ہی ہم اپنے اندر جذبۂ نفرت واستکراہ پاتے ہین، بعض نفوس وہ ہین جن کو دیکھتے ہی دل اس طرف کھنچنے لگتا ہے، حالانکہ بظاہر کوئی دلیل نہ تنفر کے لئے ہوتی ہے نہ محبت و انجذاب کے لئے جب مین نے اول اول جناب نواب محتشم الیہ کو دیکھا تو ایسا محسوس کیا کہ میری روح انکی قدیم شناسا ہے اور مجھے ان کے حضور مین حق صحبت دیرینہ حاصل! یہ ہے صفائے باطن اور خلوص قلب کا وہ انتہائی منظر جسے دنیا کبھی وجد و حال سے تعبیر کرتی ہے اور کبھی کشف و روحانیت سے لیکن مین اُسے صرف اپنی خوش بختی کہتا ہون — نواب صاحب محتشم الیہ نہایت خوش فکر شاعر بھی ہین اور برمحل اشعار کا صرف اس خوبی کے ساتھ کرتے ہین کہ مجھے ان کی دماغی تکمیل کے حسنِ توازن پر حیرت ہوگئی -

اس صحبت مین علاوہ جناب ہوش کے نواب صدر یار جنگ بہادر بھی شریک تھے جن سے (قیام بھوپال کے زمانہ سے) مجھے شرف ملازمت حاصل ہے - آپ یہاں کے نظام عسکری کے خاص رکن ہین اور محکمۂ افواج کے معتمد ہین - آپ اپنی ذہانت و قابلیت اور اصابت رائے کے لحاظ سے مخصوص امتیاز کے مالک ہین اور اخلاق کے لحاظ سے یکسر خیر و برکت - آجکل آپ روح و روحانیت کے مطالعہ مین زیادہ انہماک کے ساتھ مصروف ہین، اس لئے آپ نے بھی اس روحانی دعوت سے کافی لطف اُٹھایا اور بعض مرتبہ آپ کی بے اختیارانہ کیفیت نے ٹھیک اس وقت جبکہ "ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی" سامنے موجود تھا، دوسرون کو بھی کافی لطف اندوز کیا -
صحبت اولین مین اپنے محترم کرمفرما جناب مولوی حکیم مقصود علی خان صاحب اور مولوی سید عمر صاحب مددگار معتمد فنانس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرونگا، جن کی معیت نے محفل مین نہایت پرلطف گرمی پیدا کردی تھی اور جنھون نے اپنی کیفیات قلب کے چھپانے مین اس سے زیادہ کام نہین لیا کہ کسی دوسرے کو پہچاننے مین زیادہ دقت ہو

خوشا رعایت مستی، خوشا رعایت شوق

آج ۴ کو لکھنؤ سے تار آیا کہ میری عزیز بچی (شوکت) جو میری تمام دنیاوی امیدون کا مرکز ہے، علیل ہوگئی ہے اور مجھے یاد کرتی ہے - طبیعت مضمحل ہے اور دل اسی طرف لگا ہوا ہے، خدا کرے مین اُسے واپسی مین خوش و خرم دیکھ سکون — ارادہ تھا کہ اسی سلسلہ مین اپنے سیاحت دکن کی پوری ڈائری درج کردون، لیکن اسکو آئندہ اشاعتون پر ملتوی کرکے یہ چند صفحات دفتر کو روانہ کررہا ہون کہ مئی کے رسالہ مین کچھ تو ذکر اس سفر کا آجائے اور ناظرین نگار یہ نہ سمجھ لین کہ وہان پہونچکر مین انھین بھول گیا تھا -

نیاز

صحابیات جس مین عہد سعادت کی ۵۰ خواتین کے مستند حالات یکجا کردیئے گئے ہین - اس کا مقدمہ مولانا نیاز نے خاص اپنی انشا مین اسقدر جوش و قوت کے ساتھ لکھا ہے کہ مسئلہ نسائیت کے بہت سے نکات اس سے حل ہوجاتے ہین - قیمت علاوہ محصول - - - - ۱۲؍

"مینجر نگار"

ذکر رنگین

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

وہی قیامت سے قدِ بالا، وہی ہے صورت، وہی سراپا
لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں

وہی لطافت، وہی نزاکت، وہی تبسّم، وہی ترنّم
میں نقشِ حرماں بنا ہوا تھا، وہ نقشِ حیرت بنا رہے ہیں

خرامِ رنگین، نظامِ رنگین، کلامِ رنگین، پیامِ رنگین
قدم قدم پر، روش روش پر، نئے نئے گل کھلا رہے ہیں

شبابِ رنگین، جمالِ رنگین، وہ سر سے پا تک تمام رنگین
تمام رنگین بنے ہوئے ہیں، تمام رنگین بنا رہے ہیں

شراب آنکھوں سے ڈھل رہی ہے نظر سے مستی ابل رہی ہے
چھلک رہی ہے، اچھل رہی ہے، پیے ہوئے ہیں پلا رہے ہیں

خود اپنے نشے میں جھومتے ہیں، وہ اپنا منہ آپ چومتے ہیں
خرابِ مستی بنے ہوئے ہیں، ہلاکِ مستی بنا رہے ہیں

تمام ہے سبزہ زارِ عالم، بہار اندر بہارِ عالم
خود اپنے پر ہے نثار عالم غضب یہ عالم دکھا رہے ہیں

طیور سرشارِ ساغرِ گل، ہلاکِ تنویرِ لالہ و گل
سب اپنی اپنی دھنوں میں ملکر عجب عجب گیت گا رہے ہیں

وہ روئے رنگین وہ موجۂ یم کہ جیسے دامانِ گل پہ شبنم
یہ گرمیِ حسن کا ہے عالم، عرق عرق ہیں بہا رہے ہیں

یہ مست بلبل بہک رہی ہے قریبِ عارض جھک رہی ہے
گلوں کی چھاتی دھڑک رہی ہے وہ دستِ رنگیں بڑھا رہے ہیں

تمام رنگینیوں کے منظر، تمام رعنائیوں کے مظہر
سنبھل سنبھل کر، سمٹ سمٹ کر سب اپنے مرکز پہ آ رہے ہیں

بہارِ رنگ و شباب ہی کیا، ستارہ و ماہتاب ہی کیا
تمام ہستی جھکی ہوئی ہے جدھر وہ نظریں جھکا رہے ہیں

فضا سے نشہ برس رہا ہے دماغ پھولوں میں بس رہا ہے
وہ کون ہے جو ترس رہا ہے سبھی کو بیخود بنا رہے ہیں

زمین نشہ، زمان نشہ، جہان نشہ، مکان نشہ
مکان کیا لامکان نشہ ڈبو رہے ہیں پلا رہے ہیں

یہ موجِ دریا، یہ ریگِ صحرا، یہ غنچہ و گل، یہ ماہ و انجم
ذرا جو وہ مسکرا دئے ہیں یہ سب کے سب مسکرا رہے ہیں

فضا یہ نغموں سے بھر گئی ہے کہ موجِ دریا ٹھہر گئی ہے
سکوت نغمہ بنا ہوا ہے وہ جیسے کچھ گنگنا رہے ہیں

اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر، رہیگا لیکن یہ نقش دل پر
ہم انکا دامن پکڑ رہے ہیں وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں

یہ اشک جو بہہ رہے ہیں، اگرچہ سب ہیں یہ حاصلِ غم
مگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے کچھ مسکرا رہے ہیں

خوشی سے لبریز شش جہت ہے زبان پر شورِ تہنیت ہے
یہ وقت وہ ہے جگر کے دل کو، وہ اپنے دل سے ملا رہے ہیں

جگر مرادابادی

غزل

کدھر ہے تیرا خیال اے دل، یہ وہم کیا کیا سما رہے ہین
نظر اُٹھا کر تو دیکھ ظالم کھڑے وہ کیا مسکرا رہے ہین

تمام ہستی پہ چھا رہے ہین، وہ جیسے خود ہین بنا رہے ہین
نظر نظر مین سما چکے ہین، نفس نفس مین سما رہے ہین

کرشمے ذات و صفات کی ہین جمالِ قدرت دکھا رہے ہین
کہ ہر تصوّر سے دور رہ کر وہ ہر تصوّر مین آ رہے ہین

کہان کی دید اور کس کا عرفان جو اُس گم ہین نظر پریشان
جو ایک پردہ اُٹھا رہے ہین تو لاکھ پردے گرا رہے ہین

یہ حادثاتِ زمانہ کیا ہین، ترے ہی حسنِ طلب کے جلوے
دلون کو ٹھوکر لگا لگا کر دلون کی دنیا جگا رہے ہین

کرشمے ہین حسنِ بے جہت کے، فسون ہین چشمِ مناسبت کے
ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہین ادھر سے دیکھو تو آ رہے ہین

نفس نفس مین صفاتِ تازہ، مماتِ تازہ، حیاتِ تازہ
اُنھین میسر ہے ذاتِ تازہ جو خود کو تجھ مین مٹا رہے ہین

قطعہ

ہماری ہستی تمام آفت، تمام کلفت، تمام زحمت
اگر یہ سچ ہے تو فی الحقیقت ہمین خود اُنکو ستا رہے ہین

ہوا کچھ ایسی ہی چل گئی ہے دلون کی دنیا بدل گئی ہے
وہ ہمکو مطلوب کہہ رہے ہین وہ ہمکو طالب بنا رہے ہین

خوشا یہ پندارِ عشق اپنا، زہے شکستِ غرور اُن کی
وہ ہم سے نظرین ملا رہے ہین ہم اُن پہ تیور چڑھا رہے ہین

ذرا سا اک وقفۂ محبت، اُٹھا گیا اور ہی قیامت
ابھی ہم آنسو بہا رہے ہین، ابھی وہ آنسو بہا رہے ہین

نظر نظر التجائے پیہم، ادا، ادا شکوۂ مجسّم
ذرا جو بنکر بگڑ گئے ہین ہمین وہ کیا کیا منا رہے ہین

نہ خوفِ رسوائیٔ محبت، نہ پاسِ ناموسِ حسن و صورت
جدھر مین چلتا ہون چل رہے ہین جہان مین جاتا ہون جا رہے ہین

گلون سے مستی چھلک رہی ہے سر اپنا بلبل پٹک رہی ہے
جگر کسی گوشۂ چمن مین غزل کوئی اپنی گا رہے ہین

جگر مراد آبادی

شفق

قابل دید ہے رنگینیٔ گلزار شفق　　جگمگاتا ہوا وہ دامنِ زرتار شفق
تابش افزائے نظر حسنِ ضیا بار شفق　　افق شرق میں وہ جلوۂ انوار شفق
پرتو مہر کی تصویر نظر آتی ہے
جلوۂ صبح کی تنویر نظر آتی ہے

ارغوان زار شفق دیکھ کے دل ہے بیتاب　　یاد آجاتی ہے رنگینیٔ ایام شباب
رخ روشن سے الٹ دی کسی مہوش نے نقاب　　یا چھلکتی ہے کسی جام طلائی سے شراب
شوخیٔ رنگ کف پائے حنا بستہ ہے
یا سر طاق فلک پھولوں کا گلدستہ ہے

عکس خورشید سے پھولا ہے شفق کا گلزار　　ہے عیاں آئینۂ چرخ میں تصویر بہار
رنگ وہ خندۂ گل جس پہ ہے سو جان سے نثار　　حسنِ یوسف نظر آتا ہے میان بازار
مئے گلفام کی یا موج کوئی جاری ہے
یا تجلی تبسم کی ضیا باری ہے

یا کسی دستِ حنائی میں ہے زریں ساغر　　موجزن یا کہ فضا میں ہے شراب احمر
مستی جلوۂ رنگیں سے ہے سرشار نظر　　دیدۂ شوق کو ہو وجد وہ دلکش منظر
دل نشیں کیف فزا جلوۂ مستانہ ہے
کیا تماشہ ہے تماشائی بھی دیوانہ ہے

دوش پر چرخ کے اک چادر رنگیں ہے عیاں　　یا ہے پیشانیٔ اصنام پہ قشقہ کا نشان
یا کوئی آتشِ سیال کی ہے موج رواں　　یا سر طور ہے اک برق تبسم لرزاں
جلوہ حسن شفق جاذب نظارہ ہے
نگہ اہل نظر کے لئے گہوارہ ہے

سبق آموز فنا یہ بھی تماشا ٹھہرا　　دو گھڑی بعد نہ یہ لطفِ نظارا ٹھہرا
نقش بر آب ہر اک نقش تمنا ٹھہرا　　حاصل شوق جو ٹھہرا تو بس اتنا ٹھہرا
اے شفق خون میں جب ڈوب کے تو آتی ہے
مجھکو اپنے دل خون گشتہ کی بو آتی ہے

فرخ بنارسی